جاسوسی دنیا نمبر 28

بے گناہ مجرم

(مکمل ناول)

دو چیخیں

پرویز اس وقت چونکا جب شیشے کی دوات اس کی مٹھی میں چکنا چور ہو گئی۔ شیشے کے ٹکڑے اس نے فرش پر ڈال دیئے اور سیاہی بھرا ہوا ہاتھ میز پوش کے کونے میں پونچھنے لگا۔ آس پاس کوئی بھی موجود نہیں تھا، البتہ مینٹل پیس پر رکھی ہوئی گھڑی کی "ٹک ٹک" اُسے ایسی لگی جیسے کوئی آدمی اُس کی حالت پر افسوس ظاہر کرنے کے لئے "چہ چہ" کر رہا ہو۔

پرویز چند لمحے گھڑی کو گھورتا رہا پھر اُس نے میز پر سے پیپر ویٹ اٹھا کر اس زور سے گھڑی پر مارا کہ وہ بھی جھنجھناتی ہوئی فرش پر آگری۔

راہداری میں قدموں کی آواز سنائی دی اور اُس کا بوڑھا نوکر رانو دروازے کے سامنے پہنچ کر ٹھٹک گیا۔

"بھاگ جاؤ۔" پرویز نے چیخ کر دوسرا پیپر ویٹ اٹھایا۔

رانو سامنے سے ہٹ کر چند لمحے وہیں کھڑا رہا اور پنجوں کے بل چلتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ وہ تین سال سے پرویز کے ساتھ تھا اور اس عرصے میں اُس نے اُسے ایک بار بھی ہنستے تو کیا مسکراتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی دانست میں اس کا آقا دنیا کا عجیب ترین آدمی تھا۔ دنیا کا عجیب ترین جوان، جو انتہائی خوبصورت ہونے کے باوجود بھی اپنی شخصیت کو خاک میں ملا رہا تھا، جو دولتمند ہونے کے باوجود بھی دولت کی طرف سے قطعی بے پروا تھا۔ رانو نے آج تک اس کے کسی دوست کو نہیں دیکھا تھا۔ اس سے کبھی کوئی ملنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ اور نہ وہ خود ہی کہیں باہر جاتا تھا۔ اس کا وقت یا تو اس عمارت کے کمروں میں گزرتا یا پھر پائیں باغ میں! جب اُس نے یہ کوٹھی خریدی تھی تو پائیں باغ کی چہار دیواری زیادہ سے زیادہ تین چار فٹ بلند رہی ہو گی، لیکن کوٹھی خریدنے کے بعد اس نے سب سے پہلا کام یہی کیا کہ چہار دیواری کافی اونچی کرا دی اور

سلاخوں دار پھاٹک بدلوا کر ایسا پھاٹک لگوایا جسے بند کرا دینے کے بعد دوسری طرف کی چیزیں نہ دکھائی دیں۔ پڑوسیوں نے بھی اُس کی اس حرکت کو حیرت کی نظروں سے دیکھا تھا۔

رانو کو اس کی ہر عادت غیر معمولی معلوم ہوتی تھی اور ہر مشغلہ انتہائی خوفناک، وہ بعض اوقات پائیں باغ میں جال لگا کر ننھے ننھے پرندے پکڑتا۔ پھر ان میں سے نروں کو اڑا دیتا لیکن مادہ پرندوں کو ایسی ایسی اذیتیں دے کر مارتا کہ رانو کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے۔ وہ ان کے پر نوچ کر انہیں ایسی جگہ ڈال دیتا جہاں چیونٹیاں بکثرت ہوتیں۔ پھر وہ گوشت کے اُن لوتھڑوں کی پھڑک اتنی محویت سے دیکھتا جیسے اس کی روح نور کے سمندر میں غوطے لگا رہی ہو۔

تتلیوں کو پکڑ کر ان کے پروں کو گوند سے چپکا دیتا اور پھر ان کے ننھے ننھے پروں کو ایک ایک کر کے بلیڈ سے کاٹتا۔ درختوں پر دوڑتی ہوئی گلہریوں پر چاقوؤں سے نشانہ لگاتا اور نوکیلے پھلوں والے چاقو ان کے جسموں سے گذر کر شاخوں میں پیوست ہو جاتے اور وہ اسی طرح پھنسی ہوئی پھڑپھڑاتی اور کربناک آوازیں نکالتی رہتیں۔

رانو کبھی اس سے نفرت کرتا اور کبھی اُسے اس پر رحم آنے لگتا۔ رحم اس وقت آتا جب وہ اُسے یونہی بلاوجہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھتا۔

گھر میں چار نوکر تھے جن میں مالی بھی شامل تھا۔ یہ سب اپنے مالک سے بظاہر بیزار تھے لیکن اُسے چھوڑ نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ نوکروں کے معاملہ میں بڑا فراخ دل تھا۔ ان کی فروگذاشتوں پر انہیں کبھی کچھ کہتا نہیں تھا۔ اخراجات کا حساب تو خیر آج تک لیا ہی نہیں تھا۔ تنخواہیں اچھی خاصی دیتا تھا۔ ان میں سے اگر کبھی کوئی بیمار ہو جاتا تو ایسی تندہی سے اس کی دیکھ بھال کرتا جیسے وہ اس کا کوئی عزیز ہو!

بوڑھے رانو کو افیون کی لت تھی۔ اس کا بار بھی پرویز ہی سنبھالے ہوئے تھا۔ مالی ہر بدھ کی شام کو شراب ضرور پیتا اور بے طرح پیتا تھا۔ اسکے اخراجات بھی پرویز ہی کی جیب سے نکلتے تھے۔

اگر وہ کبھی ان پر خفا بھی ہوتا تو بعد میں معافی ضرور مانگ لیتا۔ لہٰذا آج بھی یہی ہوا۔ وہ تھوڑی دیر تک اسی کمرے میں بیٹھا رہا۔ پھر باہر نکل آیا۔ اس کے چہرے پر نرمی کے آثار طاری ہو گئے تھے اور حلقوں سے اُبل پڑنے والی آنکھیں پھر بوجھل سی نظر آنے لگی تھیں۔ اس کی پچھلی اداسی لوٹ آئی تھی معمول کے اوقات میں وہ عموماً ایک انتہائی غمزدہ آدمی معلوم ہوتا تھا۔

"رانو.....!" اس نے رانو کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا، جو اس کی طرف پشت کئے کھڑا پائیں باغ میں کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ چونک کر مڑا اور گھبرا کر دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"تم نے بُرا تو نہیں مانا۔" پرویز آہستہ سے بولا۔

"نہیں سرکار! بالکل نہیں.....!" رانو کی باچھیں کھل گئیں۔ "مگر سرکار مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے۔"

"کس بات کا۔"

"آپ اپنی بالکل خبر نہیں لیتے..... آپ کسی ڈاکٹر.....!"

"تو کیا تم مجھے پاگل سمجھتے ہو....." پرویز نے اس کی بات کاٹ دی۔ لیکن اُس کے لہجے میں اب بھی نرمی تھی۔

"نہیں صاحب..... مگر آپ کی صحت۔"

"مجھے کیا ہوا۔" پرویز اپنے چوڑے چکلے سینے اور بازوؤں کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"مگر صاحب رئیسوں کی یہ شان نہیں کہ ایک کونے میں بند بیٹھے رہیں۔"

پرویز بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"باہر کی دنیا بڑی حسین ہے صاحب۔" رانو پھر بولا۔

"ہو سکتا ہے۔"

رانو نے محسوس کیا کہ آج پرویز کا موڈ کچھ ٹھیک ہے، ورنہ اس سے قبل کئی بار اس مسئلے پر جھنجھلا چکا تھا۔ وہ جب بھی اس کی تنہائی پسندی کے سلسلے میں کچھ کہتا پرویز کو غصہ آ جاتا اور وہ اُسے سخت سست کہہ کر دوسری طرف نکل جاتا۔ اُس نے سوچا کہ آج وہ مسئلہ بھی چھیڑے جس کے متعلق پوچھنے کی آج تک ہمت نہیں پڑی تھی، نہ صرف رانو بلکہ دوسرے ملازمین بھی اُس معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لئے بُری طرح بے تاب تھے۔ لیکن اُن میں سے کسی نے بھی پرویز سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ رانو کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بات کس طرح چھیڑے۔

آخر کار وہ سوچتا ہی رہ گیا..... اور پرویز..... وہ تو کبھی کا اندر جا چکا تھا۔

وہ معاملہ تھا بھی بڑا خوفناک! انہیں ڈر تھا کہ کہیں اس کی اطلاع پولیس کو نہ ہو جائے لیکن خود انہوں نے اس کا تذکرہ باہر کسی سے نہیں کیا۔

بات دراصل یہ تھی کہ اُس کمرے تک اُن کی رسائی ہی نہیں تھی جہاں وہ سب کچھ ہوتا تھا

ورنہ نوکر تو آسمان میں تھگلی لگاتے ہیں۔ اس کمرے کے دروازے میں ایک بڑا سا قفل پڑا رہتا تھا جس کے کھلنے اور بند ہونے کا انحصار ہندسوں کی ترتیب پر تھا۔ اور وہ ترتیب پرویز کے علاوہ اور کسی کو نہیں معلوم تھی۔ دروازے کے سارے رخنے بند کردیئے گئے تھے، اس لئے باہر سے اندر کا حال دیکھنا قطعی ناممکن تھا۔

پرویز کا معمول تھا کہ وہ ہر رات کھانا کھانے کے بعد اس کمرے میں ضرور جاتا تھا اور پھر سارے نوکر لرزنے لگتے تھے۔ کمرے کے اندر سے "شراپ شراپ" کی آوازیں آتیں۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی کسی پر کوڑے برسا رہا ہو۔ پھر کسی عورت کی چیخیں سنائی دینے لگتیں۔

تھوڑی دیر بعد پرویز باہر نکل کر کمرے کو مقفل کردیتا۔ اس کے چہرے پر ایسی ہیبت طاری ہوتی کہ نوکر اس سے آنکھ ملانے کی بھی ہمت نہیں کرسکتے تھے۔

یہ بات آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ وہ عورت کون تھی؟ اور کیا وہ اسی کمرے میں بند رہا کرتی تھی؟ اگر وہ اس کمرے ہی میں رہتی تھی تو اب تک زندہ کیسے تھی؟ پرویز نے یہ سلسلہ تقریباً دو ماہ سے شروع کر رکھا تھا تو کیا وہ کچھ کھائے پئے بغیر دو ماہ سے زندہ تھی۔ اس کمرے کا دروازہ دن میں کبھی نہیں کھولا جاتا تھا۔ رات کو بھی پرویز خالی ہاتھ ہی اندر جاتا تھا۔ بہرحال یہ معمہ کسی طرح حل نہیں ہوسکا تھا۔

کبھی کبھی نوکر یہ بھی سوچنے لگتے تھے کہ کہیں وہ کوئی خبیث روح نہ ہو، رانو اکثر رازدارانہ انداز میں بقیہ نوکروں سے کہتا۔

"صاحب پر ضرور کسی چڑیل کا سایہ ہے، حسین اور تندرست آدمیوں پر اکثر چڑیلیں عاشق ہوجاتی ہیں اور زندگی بھر پیچھا نہیں چھوڑتیں۔"

اس پر مالی کہتا۔

"میں ہوتا تو سالی کی چوٹی کاٹ لیتا۔"

"بڑے تیس مار خاں ہیں۔" بندو کہتا۔

"ابے ہاں ہاں۔" مالی چھاتی پر ہاتھ مار کر کہتا۔ "ذرا عاسک ہو کر دیکھے تو سالی، ابے میرے دادا نے بھی ایک چڑیل کی چوٹی کاٹی تھی اور مرتے دم تک اسے ازار بند میں باندھے رہے تھے۔"

"بھلا ازار بند میں کیوں باندھے رہے۔" بندو پوچھتا۔

"بس ازار بند ہی میں تو ہاتھ نہیں لگاتیں۔" رانو محققانہ انداز میں بولتا۔

"اچھا بابا کیا یہ سچ ہے۔ چڑیلوں کے پنجے پیچھے اور ایڑیاں آگے ہوتی ہیں۔"

رانو اپنے ہونٹوں کو دائرے کی شکل میں لا کر ہلا دیتا۔

"یار اپنے اوپر تو کوئی چڑیل بھی عاسک نہیں ہوتی۔" بندو آہ بھر کر کہتا۔

"بس کر یار میرے! اگر جو کہیں کوئی سن ہی رہی ہو تو۔" شکورا بول پڑتا۔

"کھدا قسم اپنے کو تو چڑیل ہی مل جاتی۔" بندو اس طرح اکڑ کر کہتا جیسے اپنے ساتھیوں پر ظاہر کر رہا ہو کہ وہ چڑیلوں سے نہیں ڈرتا۔

شروع شروع میں انہیں رات رات بھر نیند نہیں آتی تھی لیکن پھر آہستہ آہستہ وہ اس کے عادی ہوتے گئے تھے اور انہیں یقین ہوگیا تھا کہ وہ چڑیل اس کمرے سے نکل کر کم از کم انہیں پریشان نہیں کرے گی، پہلے وہ یہی سمجھے تھے کہ وہ سچ مچ کوئی عورت ہی ہے، مگر جب کچھ عرصہ گذر گیا تو انہیں اپنا خیال بدل دینا پڑا۔ اگر وہ کوئی عورت تھی تو اس نے اپنی رہائی کے لئے ہنگامہ کیوں نہیں کیا۔ اگر وہ وہاں قید تھی تو کسی وقت دن میں بھی تو اس کی آواز سنی جاتی۔

رانو بڑی دیر تک کھڑا اس معاملے پر غور کرتا رہا۔ پھر اس نے "اونہہ" کہہ کر اپنے شانوں کو جھٹک دیا۔ آخر اُسے ان معاملات میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ سات بج گئے تھے اور اندھیرا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ باورچی خانے میں سیخوں پر بھونے جانے والے مرغ مسلم کی خوشبو فضا میں تیرتی پھر رہی تھی۔ رانو نے بیچ سے زمین پر تھوک کر آستین سے ہونٹ صاف کئے اور سونے سے قبل والی افیون کی چسکی کے خیال میں مگن ہوگیا۔ مرغ کی روغن دار ملائم ہڈیوں کا تصور بھی اس کی روح کی جڑیں سہلانے لگا تھا اس نے سوچا کہ سالا مرغ بھی اگر ہاتھی کے برابر ہوتا تو مزہ آجاتا۔

رانو اندر لوٹ آیا۔ پرویز آنکھیں بند کئے ایک آرام کرسی پر پڑا تھا۔ اور وہ کھانے کے وقت تک اسی طرح پڑا رہا۔

رانو باورچی خانے کے دروازے پر آکر بیٹھ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ صاحب زیادہ سے زیادہ ایک ٹانگ کھائیں گے۔ کاش دوسری ٹانگ اسے مل جاتی۔ مگر وہ سالا بندو بھلا کیوں اسے دینے لگا۔ وہ ٹانگ کھلائے گا... شکورا کو جو اُسے اکثر اپنے ایک عزیز کے یہاں لے جاتا ہے جسکی لونڈیا کرنیٹوں کے بھی کان کاٹتی ہے۔ اُس کے حصے میں شاید پیٹھ کی ہڈی آئے۔

گھڑی نے آٹھ بجائے۔ پرویز کھانا کھا کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ملازموں نے برتن ۓ
اور باورچی خانے میں آبیٹھے۔ رانو نے پہلے ہی تہیہ کر لیا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہوگا مرغ کی ٹا
ہی پر ہاتھ مارے گا۔ لہٰذا کھانا سامنے رکھ کر انہوں نے جھگڑنا شروع کر دیا۔ مالی رانو کا طرفدار ہو گ

"میں خوب سمجھتا ہوں۔" رانو سر ہلا کر بولا۔ "مگر بیٹا اس سے کچھ نہیں ہوتا۔"

"لو! ٹھرو۔" بندو نے پورا مرغ رانو کے سامنے پٹخ دیا۔

"مطلب کیا ہے تیرا.....؟" رانو بگڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"چل بیٹھ بھی بابا۔" شکور اُس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتا ہوا بولا۔ "چل تو ہی کھالے۔ ہی ہی۔

"اب تو سالے پر تھوکوں بھی نہیں۔" رانو نے پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

"آج اسی کی بات مان لیتے۔" مالی بڑبڑایا اور پھر بندو بھی پھٹ پڑا۔

لیکن ان کا یہ جھگڑا دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ پہلے انہوں نے کسی عورت کی چیخ سنی اور اس ۓ
بعد ہی کسی مرد کی چیخ سنائی دی۔

چاروں حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"صاحب۔" رانو نے آہستہ سے کہا اور چاروں کھڑے ہو گئے کیونکہ پرویز کی چیخ انہوں۔
پہلی بار سنی تھی۔

پھر وہ چاروں اس کمرے کی طرف دوڑے۔ راہداری میں اندھیرا تھا۔ انہوں نے قریب۔
کسی کی گہری گہری سانسوں کی آواز سنی۔

"رانو.....بندو.....!" پرویز کی گھٹی گھٹی آواز آئی۔ "روشنی۔"

اس راہداری کا بلب کئی دن ہوئے فیوز ہو گیا تھا اور ابھی تک اُسے بدلا نہیں گیا تھا اس۔
یہاں عموماً اندھیرا ہی رہتا تھا۔

بندو ٹارچ لانے کے لئے دوڑا۔

"کیا بات ہے صاحب۔" رانو نے پوچھا۔

"بات.....بات.....پتہ نہیں۔" پرویز ہانپتا ہوا بولا۔

اتنے میں ٹارچ آگئی۔ نوکروں نے پرویز کی حالت کو بڑی حیرت کی نظروں سے دیکھا۔ ا
کی آنکھیں خوف سے پھیل گئی تھیں۔ چہرے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ رہی تھیں اور وہ اس طر

ہانپ رہا تھا جیسے دمے کا مریض ہو۔ اُس نے مڑ کر اس پُر اسرار کمرے کی طرف دیکھا جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ پھر اس نے کپکپاتے ہوئے ہاتھ سے ٹارچ پکڑی اور کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ نوکر خوفزدہ تھے، اس لئے ان میں سے کسی نے بھی آگے بڑھنے میں جلدی نہیں کی، وہ آٹھ دس قدم پیچھے ہی تھے کہ پرویز کمرے میں داخل ہوا اور نوکروں نے پھر اس کی چیخ سنی، وہ جہاں تھے وہی رک گئے۔ ہر ایک کے دل کی دھڑکنیں اس کے سر میں دھمکتی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں، وہ دم بخود کھڑے رہے۔ انہیں شاید پرویز کے پکارنے کا انتظار تھا۔ پھر انہوں نے پرویز کو کمرے سے نکلتے دیکھا۔ ٹارچ روشن تھی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا راہداری طے کر رہا تھا۔ وہ ان کے قریب سے گزر گیا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے ان کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔

وہ بھی اس کے پیچھے چل پڑے۔ اس نے ایک بار بھی پلٹ کر ان کی طرف نہیں دیکھا۔

برآمدے میں پہنچ کر وہ اسی آرام کرسی پر گر گیا جس پر شام سے لیٹا ہوا تھا۔

"صاحب۔" رانو سہمی ہوئی آواز میں بولا۔ "کیا بات ہے؟"

"پانی.....!" پرویز کی آواز میں بہت زیادہ نقاہت تھی۔

پانی پی چکنے کے بعد اُس نے پھر آنکھیں بند کر لیں اور پھر کسی نے بولنے کی ہمت نہیں کی۔

رانو سوچ رہا تھا کہ وہ آج اس کمرے کو کھلا ہی چھوڑ آیا ہے؟..... آخر کیوں؟..... اور آج وہ خود بھی کیوں دو بار چیخا تھا؟

"پولیس کو فون کر دو۔" پرویز تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"پولیس کو.....!" رانو تقریباً چیخ پڑا۔

"ہاں۔"

"کس لئے صاحب! کیوں؟"

"میں نے اُسے مار ڈالا ہے۔"

"کسے؟" رانو کا دم گھٹنے لگا۔

"ان سے کہہ دو کہ میں بے گناہ ہوں..... میں نے اُسے مار ڈالا ہے..... میرے خدا..... ہی ہے؟ تم ابھی تک گئے نہیں! فون کر دو! کوتوالی کا نمبر تین سو پندرہ ہے..... جاؤ۔"

"کیا کہہ دوں۔" رانو تھوک نگلتا ہوا بولا۔

"بہرے ہو! کیا سنا نہیں۔" پرویز اس طرح بولا جیسے خود اُسے اپنی آواز نہ سنائی دے رہ
ہو۔ "کہہ دو یہاں قتل ہو گیا ہے۔"

پُراسرار لاش

سرجنٹ حمید نے اندھیرے میں ٹھوکر کھائی اور گرتے گرتے بچا۔ فریدی نے پلٹ کر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور حمید بیٹھ کر اُس پتھر کو سہلانے لگا جس سے ٹھوکر لگی تھی۔

"یہ کیا حماقت؟" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"برابر کر رہا تھا، کہیں بُرا نہ مان گیا ہو۔"

"بالکل ہنسی نہیں آئی۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"ظاہر ہے کہ اس پتھر نے بھی میرے معافی مانگنے پر مسکرا کر یہ نہیں کہا کہ کوئی بات نہیں۔"

"اٹھو نہیں تو ٹھوکر مارتا ہوں۔" فریدی بولا۔

"البتہ اس معاملے میں پتھر آپ سے زیادہ بلند واقع ہوا ہے۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کہ تم ہنسنے ہنسانے کے چکر میں پڑ کر بالکل احمق ہو گئے ہو۔" فریدی بولا۔

"اور میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ اس پتھر سے بھی بدتر ہیں۔"

"بکو مت! زیادہ بچپنا بھی کھلنے لگتا ہے۔"

"شاید پانچ سو پچھترویں بار آپ یہ جملہ دہرا رہے ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "ڈر ہے کہ پانچ سو چھترویں بار بھی آپ یہی جملہ دہرائیں گے۔ لہٰذا اب اس میں کچھ رد و بدل کیجئے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے پھر کہا۔

"بہتر یہ ہو گا کہ اس جملے کی ترتیب بدل دیجئے۔ مثلاً زیادہ کھلنے بھی لگتا بچپنا۔ مت بکو یا اس جملے کے الفاظ کے شروع کے حروف میں الٹ پھیر کر دیجئے جیسے بت بکو! بیادہ زچپنا کھی ہگتائے.... یا پھر آخر کے حروف۔"

"یار خدا کے لئے پیچھا چھوڑو۔"

"چھوڑ دیا۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "لیکن میں کل سے اس چکر میں نہیں پڑوں گا۔"

"وہ تو پڑنا ہی ہو گا۔"

"سنئے جناب!" حمید جھلا کر بولا۔ "یا تو میں خودکشی کر لوں گا یا اس ڈاکٹر کو گولی مار دوں گا جس نے آپ کو ہوا خوری کا مشورہ دیا ہے۔ بھلا کوئی تک ہے۔ سارے شہر کا پیدل چکر لگاتے پھریئے۔"

"خودکشی سے بہتر تو یہ ہو گا کہ تم کسی تندرست آدمی کے ساتھ کہیں بھاگ جاؤ جو تمہیں کما کر کھلا سکے۔"

"بالکل نہیں.... بچا یہ جملہ۔" حمید کھرکھراتی ہوئی آواز میں بولا۔

"فکر نہیں۔"

"اور یہ بھی نہیں کہ سڑکوں ہی کے چکر کاٹے جائیں۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کھائیاں اور نالے بھی پھلانگئے۔ ڈاکٹر نے دھکے کھانے کے لئے نہیں، ہوا خوری کے لئے کہا تھا۔ ساری دنیا اتنی ترقی کر گئی ہے، مگر اپنے یہاں کے ڈاکٹر ڈیوٹ کے ڈیوٹ ہی رہے۔ اس زمانے میں جب کہ سارے کام مشینوں سے لئے جا رہے ہیں نہ جانے ہوا خوری کم بخت کیوں رجعت پسندی کے چکر میں پھنسی ہوئی ہے۔"

"اوہو.... تو آپ ہی سوچئے نا کوئی ترقی یافتہ طریقہ۔" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔

"سوچ لیا ہے؟" حمید نے اکڑ کر کہا۔

"فرمایئے۔"

"سائیکل کا پمپ.... گھر بیٹھے ہوا خوری فرمایئے۔"

فریدی ہنس پڑا۔

"ترکیب استعمال کیلئے پتہ لکھا ہوا لفافہ اور چار آنے کے ٹکٹ ارسال فرمایئے۔" حمید پھر بولا۔

"چلتے رہو چپ چاپ۔" فریدی نے اُسے دھکا دیا۔

"سچ کہتا ہوں زندگی سے جی اُچاٹ ہو گیا ہے۔" حمید نے کسی تھکے ہوئے بوڑھے کی طرح کہا۔ "اب میں بقیہ زندگی یاد خدا میں گذارنے کے لئے جنوبی امریکہ چلا جاؤں گا۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ بس تھکتے رہو۔ اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔ اگر کچھ کام نہیں تو پیدل چلو۔"

فریدی خاموشی سے چلتا رہا۔ وہ پانچ بجے سے اب تک کئی میل کا چکر لگا چکے تھے۔ ادھر کئی

دنوں سے فریدی نے اپنے ایک ڈاکٹر دوست کے مشورے پر ہواخوری کا مشغلہ شروع کر دیا
اس کے ساتھ حمید کو بھی گھسٹنا پڑتا تھا۔ یعنی اس کا وہ فالتو وقت جو رقص گاہوں اور نائٹ کلبو
میں صرف ہوتا تھا اب ہواخوری کی نذر ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ حمید نے اس پر ضرورت سے زیا
ہلڑ مچایا ہو گا۔ تاؤ تو اُسے دراصل اس بات پر آتا تھا کہ آخر یہ خواہ مخواہ ہواخوری کا بھوت کیو
سوار ہو گیا۔ ہواخوری یا پیدل چلنے کا مشورہ انہیں لوگوں کو دیا جاتا ہے، جو کسی مرض میں مبتـ
ہوں، لیکن یہاں اس قسم کی کوئی بات نہیں تھی۔

"تو آپ نہیں بتائیں گے؟" حمید تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"کیا....؟"

"یہی کہ آخر ڈاکٹر نے یہ مشورہ دیا ہی کیوں؟"

"اس لئے کہ آج کل تمہیں گہری نیند آتی ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے....!" حمید بوکھلا کر بولا۔

"ہاں....ہاں تمہیں۔"

"اور اس نے مشورہ آپ کو دیا ہے۔"

"یہ مشورہ میں نے تمہارے ہی لئے طلب کیا تھا۔"

"یعنی اتنے دنوں سے آپ مجھے اُلو بنا رہے ہیں۔"

"اُلو نہیں آدمی بنا رہا ہوں۔ اُلو تو تم سوتے وقت ہو جاتے تھے۔ اُدھر سے البتہ اس الوینـ
میں کچھ افاقہ معلوم ہوتا ہے۔"

"یعنی....!"

"سوتے وقت اس بُری طرح شور مچاتے تھے کہ خدا کی پناہ.... اور یوں کہ ساری باتیں
صاف سمجھ میں آتی تھیں اور وہ ساری باتیں اتنی بدبودار ہوتی تھیں کہ ناک پھٹنے لگتی تھی۔"

"مثلاً....!"

"مثلاً یہ کہ ہائے ہائے کیا رنگت ہے۔ ارے مار ڈالا، کیا مسکراہٹ ہے، چال ہے کہ قیامـ
یہی نہیں بلکہ عورتوں کی قسمیں اور ان کے عادات و خصائل بھی گنوانے لگتے ہو۔ لمبی ناک و
نفاست پسند ہوتی ہے۔ چھوٹی آنکھ والی خوشامد پسند اور کینہ توز ہوتی ہے۔ کلوٹیاں گاڑھی محبـ

تی ہیں۔ بڑے دانتوں والی حاسد اور شکی ہوتی ہے اور بھی نہ جانے کیا کیا اَلا بلا۔"

"تو کیا یہ بدبودار باتیں تھیں۔" حمید نے بھنا کر پوچھا۔

"نہیں بڑی اونچی باتیں تھیں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

"بہر حال آپ کل سے مجھے اس طرح نہیں ٹہلا سکتے بھلا کوئی تک ہے.... واہ وا....؟"

"اوہ....!" دفعتاً فریدی چلتے چلتے رک گیا۔ وہ اس وقت ایک آبادی کی پشت سے گذر رہے
تھے۔ اُن کی بائیں طرف بڑی بڑی عمارتوں کا ایک لامتناہی سا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ حمید بھی رک گیا۔
ٹارچ کی روشنی کا دائرہ ایک عمارت کی دیوار پر جم گیا تھا۔

"نقب....!" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

دیوار میں ایک اتنا بڑا سوراخ نظر آ رہا تھا جس سے ایک آدمی بیٹھ کر بہ آسانی گذر سکتا تھا۔
وار سے نکالی ہوئی اینٹیں نیچے ڈھیر تھیں۔ فریدی نے اِدھر اُدھر دیکھا یہ عمارت دوسری
ارتوں سے قطعی الگ تھی۔

وہ دونوں دیوار کے نیچے آ گئے۔ چاروں طرف گہرا سناٹا تھا اور جھینگروں کی مسلسل جھائیں
ائیں بھی اندھیرے ہی کا ایک جزو معلوم ہو رہی تھی۔ فریدی نے ٹارچ بجھا دی اور دیوار سے
ک کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے ایک پتھر اٹھا کر نقب کے مہرے میں پھینکا جس کے گرنے کی آواز
ائی دی۔ اس کے بعد پھر سناٹا چھا گیا۔

دوسرے لمحے میں وہ دونوں اندر پہنچ گئے اور ٹارچ کی روشنی زمین پر پڑتے ہی حمید اچھل کر
ھے ہٹ گیا۔ ایک عورت کمرے کے فرش پر اوندھی پڑی تھی۔

"کیا مطلب....!" حمید نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

اس کمرے میں دوسری طرف ایک ہی دروازہ تھا جو کھلا ہوا تھا۔ کھڑکیاں نہیں تھیں۔ ایک
ف ایک بڑا سا لکڑی کا صندوق رکھا ہوا تھا۔ اسی کے سامنے دوسرے گوشے میں ایک چھوٹی سی
ل میز تھی، جس پر سیاہ رنگ کا ایک بکس تھا۔

فریدی تھوڑی دیر تک عورت پر جھکا رہا پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"لاش....!" اس نے آہستہ سے کہا۔

"خدا آپ پر رحمت نازل کرے۔" حمید بڑبڑایا۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" فریدی نے کہا اور دروازے سے نکل گیا۔ راہداری سنسان پڑی تھی۔ دبے پاؤں چل رہا تھا۔ راہداری کے سرے پر پہنچ کر اُس نے آوازیں سنیں۔ وہ کچھ دیر کے رکا اور پھر یک دم برآمدے میں آ گیا۔ گفتگو کرنے والے ٹھٹک گئے اور وہ جو آرام کرسی پر پڑا اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

فریدی انہیں تیز نظروں سے گھورتا رہا، بقیہ چار آدمی نوکر معلوم ہوتے تھے۔

"کیا بات ہے؟" فریدی نے خود ہی سکوت توڑا۔

"آپ کون ہیں؟" پرویز کی آواز میں خوف تھا۔

"کیا آپ اس سے واقف ہیں کہ اس عمارت کے ایک کمرے میں....!" فریدی کا جملہ ہونے سے پہلے ہی پرویز پھوٹ پڑا۔

"میں بے قصور ہوں.... وہ میرے ہاتھوں مری ہے۔ مگر میں بے قصور ہوں۔"

فریدی نے محسوس کیا جیسے وہ ہوش میں نہ ہو۔

"وہ کون ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"وہ....!" پرویز اس طرح چونکا جیسے یک بیک سوتے سوتے جاگ پڑا ہو۔ "وہ کون۔ اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہونے لگیں اور ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ کی دکھائی دی پھر اگر فریدی آگے بڑھ کر اُسے سنبھال نہ لیتا تو وہ سیدھا زمین پر ہی آیا ہوتا۔ آنکھیں بند تھیں اور سانسیں رک رک کر آ رہی تھیں۔ فریدی نے اُسے آرام کرسی پر ڈال

"کیا بات ہے۔" فریدی نوکر کی طرف مڑا۔

وہ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"فون ہے یہاں۔" فریدی نے پھر سوال کیا۔

"نہیں....!" رانو ہکلایا۔ "پڑوس میں ہے۔"

"کوئی ڈاکٹر قریب ہے۔"

"جی ہاں....!"

"بلا لاؤ اُسے، میں پولیس کا آدمی ہوں۔"

رانو جانے لگا۔

"ٹھہرو....!" فریدی نے کہا اور راہداری کے سرے پر جا کر حمید کو آواز دی۔ حمید شاید راہداری ہی میں فریدی کی آواز پر دوڑ پڑا۔

"ان کے ساتھ جاؤ۔" فریدی نے رانو کی طرف اشارہ کر کے حمید سے کہا۔ "کوتوالی فون کر دینا.... اور ڈاکٹر....؟"

حمید نے پرویز کی طرف دیکھا۔

"بیہوش ہو گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "جلدی کرو۔"

حمید رانو کے ساتھ چلا گیا۔

"وہ عورت کون ہے؟" فریدی نے بقیہ نوکروں سے پوچھا۔

"کون عورت....؟" تینوں بیک وقت بولے اور فریدی حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔

"کیا یہاں چوری بھی ہوئی ہے؟"

"نہیں تو....!" شکورا بولا۔ شاید اُس نے اپنے خوف پر قابو پا لیا تھا۔ تھوڑی دیر رک کر اُس نے کہا۔ "مگر صاحب نے ابھی پولیس کو فون کرنے کے لئے کہا تھا۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" فریدی نے کہا اور راہداری کی طرف جانے لگا۔ سرے پر پہنچ کر وہ مڑا۔ تینوں نوکروں نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کی تھی۔

"کیوں....؟" اس کی آواز بلند ہو گئی۔

"آپ ہیں کون۔" بندو خوفزدہ آواز میں بولا۔ "اندر کیسے آئے۔ پھاٹک تو بند ہے۔"

"میں تمہیں یہی دکھانا چاہتا ہوں کہ میں کیسے آیا۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

مالی آنکھیں پھاڑے فریدی کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اُسکے منہ سے بے ہنگم سی آوازیں نکلنے لگیں۔

"اَبے اَبے۔" بندو اور شکور روہانسی آواز میں چیخے اور پھر انہوں نے بھی مالی کے سر میں سر ملانا شروع کر دیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تینوں کو فرنجک ہو گئی ہو۔

"چپ رہو۔" فریدی انہیں ڈانٹ کر ان کی طرف بڑھا لیکن اُس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی تینوں لہرا کر زمین پر گر پڑے۔

"کیا مصیبت ہے۔" فریدی دانت پیس کر بولا۔ وہ تینوں بھی بیہوش ہو چکے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ کبھی وہ راہداری کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی چاروں کی طرف۔

ایک خیال تیزی سے اُس کے ذہن میں گونجا۔ کہیں یہ مکاری تو نہیں کر رہے ہیں۔ پرویز! اعتراف جرم اُسے یاد آرہا تھا۔ ساتھ ہی نوکروں کی لاعلمی بھی اس کے ذہن میں تھی۔ انہوں نے گھر میں کسی عورت کے وجود سے لاعلمی ظاہر کی تھی۔ پھر وہ نقب؟ آخر بات کیا ہے؟

وہ دس پندرہ منٹ تک خیالات میں کھویا رہا۔ چاروں آدمی ابھی تک بیہوش پڑے تھے۔ قدموں کی آواز سن کر وہ چونکا۔ حمید اور رانو ڈاکٹر کو لے آئے تھے۔

"اوہ.... یہ بھی گئے۔" حمید نوکروں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "مجھے یقین تھا کہ ایسا ضرور ہوگا۔"

"کیوں....؟"

"بوڑھے سے جو کچھ معلوم ہوا تھا اس کی بناء پر میں نے یہی اندازہ لگایا تھا۔"

فریدی اس پر کوئی دوسرا سوال کرنے کی بجائے ڈاکٹر کی طرف مڑا، جو پرویز پر جھکا ہوا اُسے دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سر اٹھا کر کہا۔

"یہ بیہوش نہیں! نیند ہے۔ گہری نیند، جو شاید آسانی سے نہ ٹوٹ سکے۔ کیا یہ اکسونیا (بے خوابی) کا مریض ہے۔"

"پتہ نہیں۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

تینوں نوکروں کے متعلق ڈاکٹر نے بتایا کہ ان کی بیہوشی کی وجہ غالباً خوف ہے۔

"ایک لاش بھی ہے۔" فریدی نے ڈاکٹر سے کہا۔

"لاش....!" ڈاکٹر کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"جی ہاں۔ میرے ساتھ آیئے۔" فریدی نے کہا اور حمید سے بولا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔"

پھر وہ رانو کو بھی اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کرتا ہوا راہداری کی طرف بڑھ گیا۔

لاش دیکھ کر رانو چیخ پڑا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر لاش سیدھی کر دی اور رانو سے پوچھ "یہ کون ہے؟"

"ہم.... میں.... نہیں جانتا۔"

"کبھی نہیں دیکھا....؟"

"نہیں.... کبھی نہیں۔" رانو نے کہا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نقب کی طرف دیکھنے لگا۔

ڈاکٹر لاش کو دیکھتا رہا۔ اس نے فریدی کے ہاتھ سے ٹارچ لے کر مقتولہ کی گردن دیکھی

کھڑا ہو کر بولا۔

"آخر بات کیا ہے۔ پولیس کو اطلاع ہوئی یا نہیں۔ اسے گلا گھونٹ کر مارا گیا ہے۔"

"میرا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور بات ابھی تک میری سمجھ میں بھی نہیں آئی۔"

ریوالور کی کہانی

پولیس آگئی تھی۔ حمید نے خاص طور سے جگدیش کو فون کیا تھا اور اتفاق سے وہ اُس وقت کوتوالی ہی میں موجود تھا۔ تینوں نوکروں کو ہوش آگیا تھا۔ لیکن پرویز کی حالت بدستور وہی تھی۔ ڈاکٹر نے بھی اُس کے سلسلے میں کوئی قطعی فیصلہ کرنے سے گریز کیا تھا۔ نوکروں سے پوچھ گچھ پر یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ وہ حقیقتاً بے خوابی کا مریض تھا۔ اکثر پندرہ پندرہ دن تک اُسے نیند نہیں آتی تھی۔

پرویز اور اُس کی مشغولیات کے متعلق ہر ایک نے حیرت سے سنا۔ رانو کا بیان دوسروں سے زیادہ مربوط اور واضح تھا اس لئے فریدی بار بار اسی سے سوال کر رہا تھا۔

"ہم یہاں تین سال سے ہیں۔" رانو کہہ رہا تھا۔ "لیکن ہم نے یہاں کبھی کوئی عورت نہیں دیکھی۔"

"اور تمہیں یہ یقین ہے کہ وہ نقب آج ہی کسی وقت لگائی گئی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں! کل میں پچھواڑے کی طرف سے گذرا تھا۔ اس وقت میں نے نقب نہیں دیکھی تھی۔"

"اپنے مالک کی پچھلی زندگی کے متعلق بھی کچھ جانتے ہو۔"

"جی نہیں! نہ مجھے اُن کے رشتے داروں ہی کے متعلق کچھ معلوم ہے۔"

"کیا وہ ہمیشہ سے عجیب و غریب حرکتیں کرتا رہا ہے۔"

"میں نے ابھی بتایا نا آپ کو۔ کمرے والا معاملہ شاید دو ڈھائی ماہ پہلے شروع ہوا تھا۔"

"تو یہاں کبھی کوئی آتا ہی نہیں تھا۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں.... اوہ ٹھہریئے.... جی ہاں چینی ہی معلوم ہوتا تھا۔"

"تم پھر بہکنے لگے۔"

"نہیں حضور! اب سے ڈھائی تین ماہ پہلے ایک چینی صاحب کے پاس آیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ ایک بہت بڑا صندوق لایا تھا۔ وہی صندوق جو ابھی آپ نے اس کمرے میں دیکھا ہے۔"

فریدی چونک کر رانو کو گھورنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔

"اور اسی کے بعد ہی سے تمہیں اس کمرے میں کسی عورت کی چیخیں سنائی دینے لگی تھیں۔"

"جی ہاں.....!" رانو جلدی سے بولا۔

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"تمہارے مالک کے پاس خطوط وغیرہ بھی آتے رہے ہوں گے۔"

"آتے تھے اور اکثر کتابوں کے پارسل بھی آیا کرتے تھے۔ صاحب بھی خطوط لکھا کرتے تھے۔"

"کہاں سے آتے تھے۔"

"یہ تو نہیں بتا سکتا۔ میں پڑھا لکھا نہیں۔"

"تمہارے ساتھیوں میں سے کوئی بتا سکے گا۔"

"جی نہیں وہ بھی میری ہی طرح ہیں۔"

"مگر تمہارا لب و لہجہ تو پڑھے لکھے لوگوں جیسا ہے۔"

"صحبت کا اثر ہے سرکار! میں ہمیشہ بڑے ہی لوگوں کے پاس رہا ہوں۔"

"تمہارے مالک کا ذریعہ معاش کیا تھا۔"

"یہ میں نہیں جانتا لیکن بینک سے میں ہی روپے لایا کرتا ہوں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر وہ سب لاش والے کمرے میں دوبارہ آئے۔ لاش ابھی تک وہیں پڑی تھی۔ فریدی نے اُس بڑے صندوق کا ڈھکن اٹھایا جس کے متعلق رانو نے بتایا تھا۔ اس میں لمبے ریشوں والی خشک گھاس اور کاغذ کی ردی بھری ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس میں کبھی کوئی چیز پیک کی گئی ہو۔ فریدی کے اشارے پر کانسٹیبلوں نے صندوق میں بھری ہوئی گھاس فرش پر الٹ دی۔ فریدی دیر تک اُسے ٹارچ کی روشنی میں دیکھتا رہا پھر حمید نے دیکھا کہ وہ ایک کاغذ کا ٹکڑا تہہ کر کے اپنی جیب میں رکھ رہا ہے۔

"یہ تو ظاہر ہے کہ جو کچھ بھی ہوا اندھیرے میں ہوا۔" فریدی چاروں طرف ٹارچ کی روشنی ڈالتا ہوا بولا۔

"کیوں اندھیرے میں کیوں؟" جگدیش بولا۔

"تم دیکھ رہے ہو کہ یہاں اس کمرے میں الیکٹرک فٹنگ نہیں ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "اور مجرم یہاں جو کچھ بھی کرتا رہا ہے اس کے لئے اس نے موم بتیاں استعمال کی ہیں۔ کیا یہ پگھلی ہوئی موم بتیوں کا موم نہیں ہے؟" اس نے ایک طاق کی طرف اشارہ کیا۔ کچھ دیر چپ رہ کر پھر بولا۔ "لیکن آج یہاں موم بتی بھی نہیں تھی۔ غالباً مجرم کو یہ یاد نہیں کہ کمرے میں موم بتی نہیں ہے۔"

"لیکن وہ آوازیں جو روزانہ سنی جاتی تھیں۔" حمید نے کہا۔ اس کا کیا مطلب تھا۔ اس عورت کے متعلق تو یہی سوچا جا سکتا ہے کہ یہ اس نقب کے ذریعے اندر داخل ہوئی۔

"اور! پرویز نے اس پر حملہ کیا تھا؟ اگر یہ صورت بھی تھی تو گلا گھونٹ دینے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ پرویز اسے مار ڈالے بغیر بھی بے دست و پا کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ جسم کی بناوٹ کے اعتبار سے کافی طاقتور معلوم ہوتا ہے اور اس عورت کو تم دیکھ ہی رہے ہو۔"

"ممکن ہے پرویز بھی اُسے بھوت ہی سمجھا ہو۔" حمید نے کہا۔ "جس طرح نوکر آپ کو بھوت سمجھے تھے۔ اس کمرے سے متعلق ساری چیزیں ان لوگوں کی طرح پُراسرار ہیں۔"

"پرویز کے لئے نہیں ہو سکتیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیونکہ اس کے پُراسرار بنانے کا ذمہ دار وہی ہے۔"

"میرے خیال سے اس عورت کے متعلق پڑوس میں چھان بین کرنی چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"نوکر فراڈ ہیں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ نے اس کہانی پر اعتبار کیسے کر لیا۔"

"محض اس لئے کہ اُن تینوں نوکروں کی بیہوشی مصنوعی نہیں تھی اور نہ اُن آوازوں میں بناوٹ تھی، جو بیہوش ہونے سے قبل اُن کے حلق سے نکلی تھیں۔"

"ڈاکٹر بھی اُن کا پڑوسی ہے۔" حمید نے کہا۔ "ممکن ہے وہ بھی اس سازش میں شریک ہو۔"

"یوں تو ہم بھی اسی نقب کے ذریعے اندر داخل ہوئے تھے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ہم نے ہی اس عورت کو یہاں بھیجا ہو۔ کیوں بھئی جگدیش؟"

جگدیش ہنسنے لگا۔

"پرویز کی نیند....!" حمید مضحکانہ انداز میں مسکرایا۔ "اس نیند کے متعلق کیا خیال ہے۔

"کیا تم سمجھتے ہو کہ ڈاکٹر کی تشخیص غلط ہے۔" فریدی اس کی طرف مڑا۔

"میں نے تو ایسی نیند کے متعلق آج تک نہیں سنا، جو بیہوشی سے بھی زیادہ گہری ہو۔"

"کیوں؟ کیا نواب[1] وجاہت مرزا کی نیند تمہیں یاد نہیں۔"

حمید جواب دینے کی بجائے لاش کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں نے شاید اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

تب تو معاملہ صاف ہے فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم بھی اس سازش میں شریک مع ہوتے ہو۔ ورنہ اس وقت میرا اور تمہارا یہاں کیا کام! تم مجھے اس طرف لائے ہی کیوں تھے۔"

"میں لایا تھا۔" حمید بھنا کر بولا۔

"شاید آپ انہیں پھر پھنسانا چاہتے ہیں۔" جگدیش نے ہنس کر کہا۔

تھوڑی دیر بعد لاش اٹھوا دی گئی اور وہ لوگ برآمدے میں آ بیٹھے۔ پرویز اب تک آ کرسی ہی پر تھا۔

"بیہوش ہونے سے قبل اس نے اعتراف جرم کیا تھا۔" فریدی بولا۔ "لیکن یہ ہے کون؟ اس کے ملازمین اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ ویسے آدمی دولت مند معلوم ہوتا ہے۔"

فریدی کھڑا ہو گیا۔

"تم لوگ یہیں ٹھہرو۔" اس نے کہا اور باہر نکل گیا۔

"اب دیکھئے۔" حمید بولا۔ "تھوڑی ہی دیر ٹھہرنا پڑتا ہے یا قیامت تک۔"

"آپ بُری طرح اکتائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔" جگدیش نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہوں۔ چہ خوب! گویا آپ کو اس میں شبہ ہے۔"

"اتنا عمدہ کیس ملا ہے آپ لوگوں کے شایان شان۔"

"کیا....؟" حمید چیخ کر بولا۔ "گویا میں کیسوں کے لئے مرا کرتا ہوں۔"

"نہیں بڑے بھائی بگڑتے کیوں ہو۔" جگدیش ہنس پڑا۔

"تم نہیں جانتے کہ میں اس وقت کتنا دکھی ہوں۔"

"کیوں....؟"

[1] جاسوسی دنیا کا پہلا ناول "دلیر مجرم" ملاحظہ فرمایئے۔

"کسی عورت کی لاش دیکھ کر مجھے سب سے پہلے یہی خیال آتا ہے کہ اس کی زندگی میں اُسے کیوں نہ ملا۔"

"فرض کیجئے کہ آپ زندگی ہی میں اس سے مل لئے ہوتے تو۔"

"تو اس وقت میں ایک ہی نظر دیکھ کر بتا دیتا کہ وہ کون ہے اور کہاں رہتی تھی۔" حمید نے سادگی سے کہا۔

جگدیش ہنسنے لگا۔

"کیوں! کیا میں نے کوئی بیوقوفی کی بات کہہ دی۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔

جگدیش کی ہنسی تیز ہو گئی۔

"شاید تم بھی گئے۔" حمید مایوسی سے بولا۔

جگدیش ہنستا رہا۔

"ارے....!" دفعتاً حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا....؟" جگدیش نے بھی اس کی تقلید کی۔ حمید تاریک راہداری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جگدیش کے ساتھ تین کانسٹیبل بھی کھڑے ہو گئے تھے۔

"وہی عورت۔" حمید نے سرگوشی کی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

"کون عورت....!" جگدیش نے پوچھا۔

"وہی.... جس کی لاش۔"

"کیا؟" جگدیش سہمی ہوئی آواز میں بولا۔

حمید نے جھپٹ کر جگدیش کے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا اور راہداری کی طرف دوڑا۔

"ٹھہرو.... ٹھہرو۔" جگدیش نے اُسے آواز دی۔ لیکن وہ جا چکا تھا۔ جگدیش وغیرہ راہداری کے سرے پر آ کر کھڑے ہو گئے لیکن اُن میں سے کوئی بھی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کر رہا تھا۔ پھر انہوں نے ایسی آوازیں سنیں، جو عموماً دھینگا مشتی کی صورت میں پیدا ہوتی ہیں۔ ساتھ ہی حمید کی گھٹی گھٹی سی آواز بھی سنائی دی۔ وہ جگدیش کو پکار رہا تھا۔

"کون ہے.... خبردار" جگدیش نے للکار کر زمین پر پیر پٹخے لیکن اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔ پھر اس نے پلٹ کر کانسٹیبلوں کی طرف دیکھا۔ لاش والے کمرے میں کوئی دھت سے زمین پر گرا اور

ساتھ ہی کسی کے دوڑنے کی آواز آئی اور پھر سناٹا چھا گیا۔

جگدیش نے حمید کو آوازیں دیں لیکن جواب ندارد۔ اس نے رانو کے ہاتھ سے ٹارچ لے اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔

کمرے میں پہنچ کر انہوں نے عجیب منظر دیکھا۔ حمید زمین پر اوندھا پڑا اٹھنے کی کوشش کر تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے ہاتھوں میں اتنی طاقت بھی نہ رہ گئی کہ وہ اُن پر زور دے اٹھ سکے۔ جگدیش نے جلدی سے جھک کر اُسے اٹھایا لیکن وہ اُس سے لپٹ پڑا۔

"ارے.... ارے میں ہوں۔" جگدیش بوکھلا کر بولا۔ لیکن حمید اس کی گردن میں ہاتھ ڈ جھٹکا دے چکا تھا۔ اگر سپاہی آگے بڑھ کر اُسے سنبھال نہ لیتے تو وہ سر کے بل زمین پر چلا آیا ہوتا۔

"ہوش میں آؤ.... میں جگدیش ہوں۔" جگدیش خوفزدہ آواز میں چیخا۔

حمید گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا اور اس نے اس طرح اپنے سر کو جھٹکے دینے شروع کر دیئے جیسے بیہوشی کے اثرات سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہو۔

"جگدیش....!" وہ گھٹی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم کہاں مر گئے تھے۔ وہ دو تھے۔"

"کون؟"

"پتہ نہیں۔" حمید جگدیش کے ہاتھ سے ٹارچ لے کر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "ش.... وہ تمہارا ریوالور لے گئے۔"

"کیا....؟" جگدیش تقریباً چیخ پڑا۔

"دیکھتے کیا ہو! آگے بڑھو...." حمید بوکھلا کر بولا اور نقب کے راستے باہر نکل گیا۔ جگد وغیرہ بھی اس کے پیچھے لپکے۔

دوسری طرف تاریکی اور سناٹے کی حکومت تھی۔ حمید بدحواسی میں اِدھر اُدھر بھاگتا پھ تھا۔ جگدیش اور اس کے ساتھی بھی اُس کا ساتھ دے رہے تھے وہ رکتا تو رک جاتے بھاگتا تو کے پیچھے دوڑتے۔

"اب کہیں وہ بھی ہاتھ سے نہ جائے۔" حمید نے چیخ کر کہا اور نقب کے راستے پھر کوٹھی داخل ہو گیا۔ پرویز بدستور آرام کرسی پر پڑا تھا۔

"حمید صاحب۔" جگدیش ہانپتا ہوا بولا۔ "بہت بُرا ہوا.... میرا ریوالور.... اب کیا ہو گا۔"

"میں کیا جانوں۔" حمید بھنا کر بولا۔ "سراسر تمہاری غلطی ہے۔ اگر تم لوگ بھی میری مدد کے لئے پہنچ گئے ہوتے تو کبھی ایسا نہ ہوتا۔"

جگدیش بدحواس ہو کر ایک کرسی پر گر گیا۔

"ملازمت گئی۔" وہ بڑبڑایا۔ "معطل ہو جاؤں گا۔ مقدمہ چلے گا۔"

"اگر انہوں نے مجھے مار ہی ڈالا ہوتا تو۔" حمید غصہ سے بولا۔

"تم نے میرا ریوالور کیوں نکالا تھا۔" جگدیش چیخا۔

"میں نے نہیں نکالا تھا۔" حمید نے گردن جھٹک کر لاپروائی سے کہا۔

"مت بکو۔" جگدیش نے جھلاہٹ میں گھونسا تان کر کہا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی کی آواز سنائی دی۔ وہ دروازے میں کھڑا حمید اور جگدیش کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"میرا بیڑا غرق کر دیا انہوں نے۔" جگدیش فریدی کی طرف مڑا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" حمید گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "یک بیک بیٹھے بیٹھے نہ جانے کیا ہو گیا۔ اتنا تو میں نے دیکھا تھا کہ ذرا سا اونگھ گئے تھے۔"

"مت بکو۔" جگدیش حلق کے بل چیخا اور پھر اچانک اس کے چہرے پر بے بسی چھا گئی۔

"آخر بتاتے کیوں نہیں۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

جگدیش نے غصیلی اور روہانسی آواز میں پورا واقعہ دہرایا۔

"تم بھنگ تو نہیں پی گئے۔" حمید بُرا مان کر بولا۔ "یہ سالا سچ مچ بھوت خانہ معلوم ہوتا ہے۔"

"کیا بات ہے۔" فریدی حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "ارے آپ کا دماغ بھی پھر گیا۔" حمید بے بسی سے بولا۔ "کان دیکھئے کوے پر غصہ اتارنے سے کیا فائدہ۔"

"دیکھو میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

"تو آپ اچھی طرح کب پیش آتے ہیں۔"

"حمید....!"

"سرکار والا! ابھی اور اسی وقت میرا استعفیٰ منظور فرمائیے۔"

دفعتاً فریدی جگدیش کے ریوالور ہولسٹر کی طرف دیکھنے لگا۔

"جگدیش کیا تم واقعی ہوش میں نہیں ہو۔" فریدی اُسے گھور کر بولا۔

"جی....!" جگدیش گھبرا کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا ریوالور تمہارے ہولسٹر میں موجود نہیں ہے؟"

جگدیش نے بے اختیارانہ انداز میں ہولسٹر میں ہاتھ ڈالا اور پھر "ارے" کہہ کر اچھل پڑا.... ریوالور موجود تھا۔

"اُلو کی دم فاختہ۔" حمید نے دانت پیس کر جگدیش کو گھورتے ہوئے کہا۔

جگدیش کا حلیہ دیکھنے کے قابل تھا۔

"ایشور قسم ان لوگوں سے پوچھ لیجئے۔" جگدیش بوکھلا کر بولا۔ کانسٹیبلوں اور پرویز کے نوکروں نے حیرت آمیز انداز میں بڑبڑانا شروع کر دیا۔

فریدی حمید کی طرف مڑا لیکن وہ اتنی دیر میں راہداری کے بیرونی سرے تک پہنچ چکا تھا۔ اُس نے تیز تیز قدموں سے پائیں باغ طے کیا اور پھاٹک سے گذر کر سڑک پر آگیا اور پھر اُس ایک طرف کھڑے ہو کر جو ہنسنا شروع کیا ہے تو پیٹ دباتے دباتے اس کا بُرا حال ہو گیا۔

اُس نے اس وقت جگدیش کے ساتھ وہ شرارت کی تھی کہ جگدیش شاید مرتے دم تک اُسے نہ بھلا سکے۔ حقیقتاً اُسے کچھ بھی نہیں دکھائی دیا تھا اور نہ اس وقت اُس کے ذہن میں شرارت تھی۔ اس نے محض جگدیش کو ڈرانے کے لئے مردہ عورت کے بھوت کا حوالہ دے[کر] اُس کا ریوالور چھینا تھا لیکن جب اس نے یہ محسوس کیا کہ جگدیش اور اُس کے ساتھی خوف کی [وجہ] سے کمرے تک آنے کی بھی ہمت نہیں کر رہے ہیں تو دفعتاً اس کے ذہن نے قلابازی کھائی او[ر] نئی شرارت اس کے رگ و ریشے میں کلبلانے لگی۔ پھر اس نے خود ہی ایسی اچھل کود مچائی جیسے کئی آدمیوں سے لڑ رہا ہو۔ بھاگنے اور گرنے والوں کی ایکٹنگ بھی خود ہی کی.... اور پھر جگد[یش] اسے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا تو اس نے چپ چاپ ریوالور اُس کے ہولسٹر میں سرکا دیا تھا۔

اول تو خالی پیٹ میں ہنسی شاذونادر ہی آتی ہے لیکن اگر زیادہ دیر تک آتی تو پھر ریاح گولے اس بُری طرح آنتوں میں ٹھوکر مارتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ لہٰذا حمید کے معدے پر مصرعہ صادق آ رہا تھا۔ "رہتے رہتے دل میں تیرا درد بھی ہو گیا۔" پیٹ میں معدے کی جگہ

بہت بڑا دکھتا ہوا گولا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ شہر کی طرف چل پڑا۔ بھوک کے مارے بُرا حال تھا۔ یہاں کسی سواری کا دستیاب ہونا بھی مشکل ہی نظر آ رہا تھا۔ کبھی کبھی ایک آدھ کار گذر جاتی تھی۔ وہ ٹیکسی نہ ہوتی تھی۔ بہرحال وہ پیدل ہی چلنے کا تہیہ کر کے سڑک چھوڑ کر عمارتوں کے پشت والے ویران حصے میں آگیا۔ سڑک سے جانے میں زیادہ وقت صرف ہوتا اور چلنا بھی بہت پڑتا۔

حمید چلا تو آیا تھا لیکن حقیقتاً اُس کا ذہن اُسی قتل میں الجھا ہوا تھا۔ پرویز اس کمرے میں روزانہ کسی عورت کو چیخنے پر مجبور کرتا تھا۔ اگر وہ مقتولہ ہی تھی تو اتنے دنوں تک کمرے میں بند کیونکر رہی دن میں اس نے شور کیوں نہیں مچایا۔ پھر اُس نقب کا کیا مطلب تھا۔ وہ غیر ملکی آدمی اُس بڑے صندوق میں کیا لایا تھا۔ دفعتاً حمید کو یاد آیا کہ فریدی نے اس بکس سے کوئی کاغذ نکال کر جیب میں رکھا تھا۔ وہ چلتے چلتے رک گیا۔ کہیں قریب ہی سے پٹرول کی تیز بو آ رہی تھی۔

پٹرول کی بو

حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں گھور رہا تھا۔ دفعتاً اُسے اپنی بائیں جانب والے نشیب میں ٹارچ کی روشنی دکھائی دی۔ تقریباً دو ڈھائی سو گز کے فاصلے پر جھاڑیوں کے قریب ایک آدمی نظر آ رہا تھا جس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔ ٹارچ کی روشنی میں حمید کو ایک دوسرا انسانی مجسمہ دکھائی دیا، جو ایک سفید چادر میں لپٹا ہوا زمین پر پڑا تھا۔ قریب ہی پٹرول کا ٹین رکھا تھا۔ اُس آدمی نے ٹین اٹھا کر چادر میں لپٹے ہوئے جسم پر پٹرول انڈیلنا شروع کیا۔ ہوا کے جھونکے پٹرول کی بو کو دور دور تک پھیلا رہے تھے۔

حمید نے کچھ سوچے سمجھے بغیر اسے للکارنا شروع کر دیا۔

"خبردار! گولی ماردوں گا۔"

اس آدمی کے ہاتھ سے ٹارچ گر گئی اور وہ ایک ہی جست میں جھاڑیاں پار کر کے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ حمید اپنی پوری قوت سے دوڑ رہا تھا اس نے زمین پر پڑے ہوئے آدمی کے پاس سے ٹارچ اٹھائی اور جھاڑیوں میں گھس گیا لیکن پندرہ بیس منٹ سر مارنے کے باوجود بھی بھاگنے والے

کا نشان نہ ملا۔

تھک ہار کر وہ پھر اسی جگہ واپس آ گیا۔ چادر میں لپٹا ہوا جسم اب بھی اسی حالت میں پڑا تھا۔ حمید نے اُس کے چہرے سے چادر اٹھائی اور چیخ کر دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔

کیا یہ اسی عورت کی لاش نہیں تھی۔ وہ لاش جسے تھوڑی دیر قبل پولیس اٹھالے گئی تھ پھر یہ یہاں کیسے۔ کیا اس پُر اسرار آدمی نے اس پر اس لئے پٹرول نہیں چھڑکا تھا کہ اُسے دے؟ آخر وہ کون تھا اور اسے لاش کس طرح ملی۔

وہ پھر آگے بڑھا۔ مقتولہ کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ حمید پھر ٹھٹک گیا۔ اسے یاد آرہا تھا اُس نے جو لاش کمرے میں دیکھی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں۔ لیکن یہ کھلی ہوئی آنکھیں زند سے بھرپور معلوم ہو رہی تھیں۔ حمید نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا جو دبا ہی چلا گیا۔ وہ پھر بوک کر پیچھے ہٹ آیا؟ کیا اس کا سر پلپلا ہے۔ یعنی سر میں ہڈی ہی نہیں۔ خوف کی ایک ٹھنڈی سی لہر کے جسم میں دوڑ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔

اس نے پھر جی کڑا کر کے اس کے پیر ٹٹولے لیکن وہاں بھی ہڈی ندارد۔ ایک خیال تیز سے اُس کے ذہن میں گونجا اور اس نے اس جسم سے لپٹی ہوئی چادر کھینچ کر ایک طرف ڈال د اور پھر اُسے یہ سمجھ لینے میں دشواری نہ ہوئی کہ وہ مجسمہ ربر کا تھا۔ لیکن یہ بھی کم حیرت انگ دریافت نہ تھی۔ آخر اس کا کیا مطلب! ربر کا مجسمہ؟ جو ہو بہو مقتولہ کی نقل تھا۔

حمید تھوڑی دیر کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر اُس نے اس مجسمے کو اٹھایا اور چل پڑا..... مجسمہ زیا بھاری نہیں تھا۔ تھوڑی دور چل کر وہ پھر لوٹ پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اس واقعے کا تعلق ب اسی معاملے سے نہ ہو۔ لہٰذا پٹرول کے ٹین اور اُس چادر کو وہیں چھوڑ دینا مناسب معلوم ہوا تھ لیکن اس سلسلے میں سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ وہ اُن سب چیزوں کو لاتا کس طرح۔ وہ منٹ تک سوچتا رہا پھر اس نے پٹرول کا ٹین اور چادر جھاڑیوں میں چھپادی۔

وہ اسی وقت پرویز کے مکان پر جا کر فریدی کو بھی اس کی اطلاع دے سکتا تھا لیکن اب دوسری اسکیم کے تحت جو اُسے اسی وقت سوجھی تھی اس نے واپس جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

اس نے اس مجسمے کو کاندھے پر اٹھایا اور چل پڑا۔ اُسے سب سے زیادہ فکر اس بات کی تھی نوکروں کی نظر اُس مجسمے پر نہ پڑنے پائے۔ آخر کار وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو ہی گیا۔ وہ سب

فریدی کے کمرے میں پہنچا اور مجسمے کو اس کے بستر پر ڈال کر چادر سے ڈھک دیا۔ اُس سے فراغت حاصل کر کے اُس نے کھانے کے لئے ہلڑ مچانا شروع کر دیا.... اور پھر شاید پہلا لقمہ بھی نہ اٹھایا تھا کہ فریدی اور جگدیش بھی آ گئے۔

"آج تمہاری خیریت نہیں۔" فریدی اُسے مکا دکھا کر بولا۔

"اطلاعاً عرض ہے کہ میں بھی کسی سے کمزور نہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور جلدی جلدی منہ چلانے لگا۔

"بیٹھو بھئی جگدیش۔" فریدی ڈائننگ ٹیبل کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "میں کپڑے بدل کر آتا ہوں بے تکلف شروع کر دو۔ میں بھی آکر شریک ہو جاؤں گا۔"

فریدی اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

"اور سناؤ بھائی جگدیش بہت دنوں بعد ملاقات ہوئی۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "کھاؤ نا یار بس شروع ہو جاؤ! فریدی صاحب ابھی شیو کریں گے۔"

"میں تم سے ناراض ہوں۔" جگدیش نے گردن اکڑا کر کہا۔ "تم نے میرا بڑا مضحکہ اڑایا۔ کانسٹیبلوں کے سامنے تمہیں ایسی حرکت نہ کرنی چاہئے تھی۔"

"خدا کی قسم! کسی دن بیچ بازار میں تمہاری بے عزتی کروں گا۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"اگر فرض کرو وہ حادثہ حقیقت پر مبنی ہوتا تو تم نے میری گردن ہی کٹوا دی تھی۔"

جگدیش بغلیں جھانکنے لگا.... حمید بولتا رہا۔

"تمہارے محکمے میں لومڑیوں کے علاوہ آج تک کوئی اور دوسرا جانور نظر نہ آیا.... چوڑیاں پہن....!"

دفعتاً حمید کے منہ کا نوالہ باہر نکل پڑا اور اس کے منہ سے عجیب طرح کی آوازیں نکلنے لگیں۔

"اِہ.... اِہ.... اِہ.... ایہہ۔"

اور اس لمبی سی "ایہہ" کے بعد وہ کرسی سے لڑھک کر زمین پر چلا آیا۔

جگدیش نے پلٹ کر دیکھا۔ فریدی اُسی مجسمے کو گردن سے پکڑے ہوئے آرہا تھا۔ حمید کو اس طرح گرتے دیکھ کر اُس نے اُسے زمین پر ڈال دیا اور حمید کی طرف لپکا۔

جگدیش حمید کی بجائے زمین پر پڑے ہوئے مجسمے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"سنو بھئی۔" فریدی نے اُسے اپنی طرف متوجہ کر کے کہا۔ "کیا تم بھی ڈر رہے ہو۔ ا ربر کا مجسمہ ہے۔ میاں حمید بیہوش ہوگئے ہیں۔"

فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ جگدیش بھی اس کے قریب آ فریدی چند لمحے حمید پر جھکا رہا تشویش آمیز لہجے میں بڑبڑاتا رہا۔ پھر اس نے اس کے دونوں کا پکڑ کر جو زور لگایا ہے تو وہ "اکھڑ گئے" کا نعرہ مار کر کھڑا ہو گیا۔

"کہاں تھا یہ مجسمہ....؟" فریدی نے دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن دبوچ کر پوچھا۔

"ارے میں.... خیں.... خیں.... میں کیا جانوں۔"

حمید اس کے ہاتھ جھٹک کر پیچھے ہٹ گیا۔

"اس سے کام نہیں چلے گا برخوردار....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "شرارت کے نشے میں اپنا رومال اسی کے نیچے چھوڑ آئے تھے۔"

"تب تو مجبوری ہے۔" حمید اپنے کان سہلاتا ہوا بولا۔

"فضول باتیں مت کرو۔"

"میرے ایک دوست نے تحفتاً پیش کیا ہے۔" حمید منہ چلاتا ہوا بولا۔

"تین دن تک سونے نہیں دوں گا۔" فریدی نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

حمید نے درویشوں کی طرح ہاتھ اٹھا کر شعر پڑھا۔

"قبر میں جی بھر کے سونا زندگی کی نیند کیا
زہرو راہِ عدم اٹھ اب سویرا ہوگیا"

"سچ کہتا ہوں! مارتے مارتے سویرا کر دوں گا۔" فریدی بولا۔

"راستے میں پڑی ملی تھی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"غلط کہتے ہو.... میرا خیال ہے کوئی اسے جلانے جا رہا تھا۔"

"جی....!" حمید نوالا ہاتھ سے رکھ کر بولا.... اُسے حیرت ہو رہی تھی کہ فریدی اس۔ پر کیونکر پہنچا۔ پٹرول کی بو بھی اُس میں باقی نہیں رہ گئی تھی۔

"جناب۔" فریدی پُر سکون آواز میں بولا۔ "مذاق میں مت ٹالو.... یہ بہت ضروری ہے

حمید نے رک رک کر پورا واقعہ دہرایا۔ لیکن اُس کا ہاتھ اور منہ تیزی سے چل رہے۔

اسے خدشہ تھا کہ فریدی واقعات سن لینے کے بعد جائے واردات کی طرف ضرور دوڑے گا۔ لہٰذا پیٹ تو بھر ہی لیا جائے۔

"اور تم وہ چادر اور پٹرول کا ٹین وہیں چھوڑ آئے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"بہت احتیاط سے ایک جگہ چھپا آیا ہوں۔"

"اچھا تو ختم کرو کھانا۔"

"ختم سرکار۔" حمید نے پانی کا گلاس چڑھا کر ڈکار لی اور پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "آپ لوگ بھی کھا لیجئے۔"

"واپسی پر۔" فریدی جگدیش کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"جی ہاں.... اور کیا؟" جگدیش نے اٹھتے ہوئے کہا۔

فریدی نے گیرج سے جیپ نکالی۔

"چلو تمہیں ڈرائیو کرو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"بہت بہتر۔" حمید نے کہا۔ لیکن فریدی اس کی آنکھوں کی شرارت آمیز چمک نہ دیکھ سکا۔

سڑک سے گذر کر جیپ ویران راستوں پر ہولی۔ حمید جان بوجھ کر اُسے بہت زیادہ ناہموار زمین پر چلا رہا تھا۔

"یار بس بھی کرو۔" جگدیش کراہ کر بولا۔ ذرا ہی سی دیر میں جیپ کے جھٹکوں نے اس کی نس نس ڈھیلی کر دی تھی۔ فریدی خاموش بیٹھا رہا۔ پتہ نہیں وہ حمید کی اس حرکت کو جان بوجھ کر نظر انداز کر رہا تھا یا خیالات میں اس بُری طرح کھویا ہوا تھا کہ اس کی طرف دھیان ہی نہیں ہوا۔

"کیوں....؟" حمید نے فریدی کو مخاطب کیا۔ "آپ نے اس کا اندازہ کیسے لگایا کہ کوئی اسے جلانے جا رہا تھا۔"

"تم اسی لئے پوچھ رہے ہو نا کہ پٹرول کی بو تو اڑ گئی تھی؟" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی!"

"لیکن کانوں کے سوراخوں میں خفیف سی بو باقی رہ گئی تھی اور پھر اس کے بالوں میں ایک دیا سلائی بھی الجھی ہوئی ملی تھی۔ بہر حال تم چوک گئے۔ اس آدمی کو پکڑنا تھا۔

"پرویز کا کیا ہوا؟"

"ہم اسے ہسپتال بھجوا کر آئے ہیں، اس کی نیند میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔"

اچانک حمید نے بریک لگائی اور جگدیش کا سر اس کی پیٹھ سے ٹکرا گیا۔

"سنبھل کر بیٹھو۔" حمید نے انجن بند کرتے ہوئے کہا اور نیچے اُتر گیا۔

پٹرول کا ٹین اور چادر بدستور اُسی جگہ موجود تھے جہاں حمید نے انہیں چھپایا تھا۔

پھر وہ انہیں اُس مقام پر لایا جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ فریدی ٹارچ کی روشنی میں قرب جوار کی زمین کا جائزہ لینے لگا۔ ایک جگہ تین چار دیا سلائیاں پڑی ہوئی ملیں۔

"غالباً گھبراہٹ میں گر گئی ہوں گی۔" فریدی بولا۔ "آدمی بہت زیادہ دلیر نہیں معلوم ہوتا۔"

زمین سخت تھی اس لئے قدموں کے نشانات دیکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ پھر بھی فریدی نے اس کے امکانات کو نظر انداز نہیں کیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس لوٹ رہے تھے۔

"پرویز کے نوکروں کا کیا ہوا۔" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہیں! ان کا کیا ہوتا۔"

"بہر حال بڑا پیچیدہ معاملہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"اب نہیں رہ گیا۔" فریدی بولا۔ "تھوڑی دیر قبل ضرور تھا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں تم سے کب کہتا ہوں کہ سمجھو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

پھر بقیہ راستہ خاموشی ہی سے طے ہوا۔

گھر پہنچ کر فریدی اور جگدیش نے کھانا کھایا۔ دورانِ طعام میں جگدیش نے اس کیس سے متعلق کئی بار گفتگو کرنی چاہی لیکن فریدی نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ خود بھی ابھی معاملات کی نوعیت کو بخوبی نہیں سمجھ پایا ہے۔

جگدیش کے چلے جانے کے بعد فریدی نے خود ہی گفتگو چھیڑ دی۔

"اگر یہ ربر کا نمونہ نہ ملتا تب بھی ہم اس نتیجے پر ضرور پہنچتے۔"

"کس نتیجے پر۔" حمید نے پوچھا۔

"یہی کہ اس کمرے میں ایک ربر کا مجسمہ تھا۔"

"تو کیا وہ اُسی کمرے میں تھا۔"

"جناب۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "اُس بڑے صندوق میں وہ مجسمہ ہی لایا گیا تھا۔"

"کہاں سے؟"

"شہر کی ایک جاپانی فرم سے جو کھلونوں کا کاروبار کرتی ہے۔ غالباً پرویز نے باقاعدہ آرڈر دے کر اُسے بنوایا تھا اور میرا خیال ہے کہ اس پر کافی پیسہ صرف ہوا ہوگا۔"

"فرم کے متعلق آپ کو کیسے معلوم ہوا؟" حمید نے پوچھا۔

فریدی نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر حمید کے سامنے رکھ دیا۔ اس پر "جاپانیز مرچنٹس کارپوریشن۔" چھپا ہوا تھا۔

"یہ پرچہ اُسی صندوق میں ملا تھا۔" فریدی بولا۔

"بات کچھ کچھ سمجھ میں آتی ہے۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ بھی فی الحال قیاس ہی ہے۔"

"چلو قیاس ہی سہی! لیکن یہ بات تو ماننی ہی پڑے گی کہ ابھی تم اسی مجسمے کی شکل کی ایک لاش دیکھ چکے ہو۔ اور وہ بھی پرویز کی کوٹھی کے ایک پُر اسرار کمرے میں۔"

"چلئے مان لی میں نے یہ بات.... پھر....؟"

"پھر یہ کہ پرویز کے عجیب و غریب عادات و اطوار۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اچھا صاحب زادے تم نے اُس چھوٹے اور سیاہ رنگ کے صندوق کو بھی دیکھا ہوگا۔ جو ایک چھوٹی سی میز پر رکھا ہوا تھا۔"

"کچھ یاد تو پڑتا ہے۔"

"اُسے بھی دیکھنے کی زحمت گوارا کی تھی تم نے۔"

"نہیں۔"

"اگر تم دیکھتے بھی تو اُس کی اہمیت کو نظر انداز کر جاتے۔"

"کیوں؟ کیا چیز تھی اس میں۔"

"کچھ بھی نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "وہ حقیقتاً گراموفون تھا۔"

"گراموفون؟" حمید نے احمقوں کی طرح دہرایا۔

"ہاں گراموفون؟.... کیا سمجھے؟"

"گراموفون ہی سمجھا؟"

"ڈیوٹ ہو! آخر اس کمرے میں گراموفون کا کیا کام؟ اور وہ بھی صرف گراموفون۔ ر
غدارد۔ پورے گھر میں ایک بھی ریکارڈ نہ مل سکا۔"

"تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔" حمید نے کہا۔ "میرے خیال سے وہ ایک فالتو
ہونے کی بناء پر اس کمرے میں ڈال دیا گیا ہوگا۔ وہ کمرہ غالباً اسٹور روم کی حیثیت سے استعمال
جاتا ہے۔ کیونکہ نہ تو اس میں الیکٹرک فٹنگ ہے اور نہ کھڑکیاں وغیرہ۔"

"ٹھیک ہے! لیکن گراموفون کی اُن استعمال شدہ سوئیوں کے بارے میں کیا کہو گے جو
میز پر پائی گئی ہیں۔"

"تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ چیخیں۔"

"بہت دیر میں سمجھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "پرویز روزرات کو ایسا ریکارڈ بجاتا تھا جس:
صرف چیخیں تھیں۔"

"لیکن وہ ریکارڈ۔"

"اس مجسّمے کی طرح وہ بھی گراموفون سے غائب کر دیا گیا۔"

"فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا اور پھر حمید لاکھ کوششوں کے باوجود بھی اُسے بو
پر آمادہ نہ کر سکا۔"

وہ کون تھی

دوسری صبح فریدی نے سب سے پہلے اسپتال فون کیا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ پرویز کی نیند بد
جاری ہے اور یقین کے ساتھ یہ بتانا دشوار ہے کہ اس کا سلسلہ کب ختم ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ
کے لئے سر کے آپریشن کی ضرورت بھی پیش آئے۔

فریدی ریسیور رکھ کر کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سر اٹھا کر حمید

کمرے کی طرف دیکھا۔ حمید ابھی تک خراٹے لے رہا تھا۔ فریدی نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا
اس کی ہدایت تھی کہ سوتے وقت کمرے کو کبھی مقفل نہ کیا جائے۔

"حمید....!" فریدی نے آواز دی۔

"ارے.... ہر.... ہر.... ہٹ.... ٹخ.... ٹخ۔" حمید نے بڑبڑا کر کروٹ لی۔

اور پھر فریدی نے جھنجھوڑ کر اُسے کھڑا کر دیا۔

"کیا مصیبت ہے؟" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

"خیر مجھے کیا۔ میں کہے دیتا ہوں کہ حمید صاحب نہیں ملنا چاہتے۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔

"کس سے....!" حمید نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"ایک لڑکی ڈرائنگ روم میں تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

"لڑکی....!" حمید نے حیرت سے کہا پھر ہنس پڑا۔ "مجھے گھس رہے ہیں، بہت اچھے۔"

"تمہاری مرضی۔" فریدی شانوں کو جنبش دے کر جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہریے۔ آپ نے میرے بڑے حسین خواب کا خون کر دیا ہے۔ میں خواب دیکھ رہا تھا
جیسے میں مویشی خانے کا منشی بنا دیا گیا ہوں۔"

"تھے تو اسی قابل۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

اور پھر حمید کو یقین کر لینا پڑا کہ حقیقتاً کوئی لڑکی ڈرائنگ روم میں اس کا انتظار کر رہی ہے۔
اس نے جلدی جلدی شیو کیا اور لباس تبدیل کر کے باہر نکلا تو فریدی کو ناشتے کی میز پر دیکھا جو
نہایت اطمینان سے بیٹھا کافی کی چسکیاں لے رہا تھا۔

حمید کو پھر خیال آیا کہ شاید اُس نے اُسے اُلو بنایا ہے۔ لہٰذا وہ ڈرائنگ روم کی طرف جانے کی
بجائے سیدھا ناشتے کی میز کی طرف بڑھا۔

"آج موسم خوشگوار ہے۔" اُس نے اپنے سامنے کی پلیٹ سیدھی کرتے ہوئے کہا۔

"کل بھی خوشگوار تھا۔" فریدی بولا۔

"امید ہے کہ پرسوں بھی رہے گا۔" حمید نے کہا اور کافی انڈیلنے لگا۔

"تو کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ چلی گئی۔" فریدی چونک کر بولا۔

"مجھے اُسی وقت سے معلوم ہے جس وقت آپ نے اس کی آمد کی خوشخبری سنائی تھی۔" حمید

لاپرواہی سے بولا۔

"تم شاید مذاق سمجھے ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ لو۔"

اس نے اس کی طرف کاغذ کا ایک ٹکڑا بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اپنا پتہ دے گئی ہے اور کہہ ہے کہ جلدی کی وجہ سے وہ انتظار نہیں کر سکتی۔ حمید صاحب کو بھیج دیجئے گا.... تم اُسے کب جانتے ہو۔"

حمید نے تحریر پر نظر ڈالی، لیکن مس رعنا سلیم کی شخصیت اس کے ذہن کے گوشے میں ابھری۔ سرسری جان پہچان والیوں میں بھی شاید اس نام کی کوئی نہیں تھی۔

پتہ چار بٹا سولہ۔ دارو والا بلڈنگ تھا۔ اُسے یہ بھی یاد نہیں آرہا تھا کہ اس نے کبھی عمارت ہی میں قدم رکھا ہو۔

"میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے؟" حمید کاغذ پر نظر جمائے ہوئے آہستہ سے بولا۔

"بکتے ہو۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"آپ کو یقین نہ آئے گا۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "لڑکی فراڈ معلوم ہوتی ہے، خیر میں دیکھوں گا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید تھوڑی دیر تک انتظار کرتا رہا کہ شاید کچھ کہے لیکن اس کی مسلسل خاموشی نے خود اُسے ہی بولنے پر مجبور کر دیا۔

"آج کا پروگرام۔"

"کوئی خاص نہیں۔" فریدی نے بے دلی سے کہا۔

"کیا آپ اس کیس میں دلچسپی نہیں لے رہے ہیں۔"

"قطعی لے رہا ہوں۔"

"پھر....؟"

"پھر کیا؟ ابھی تک کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچا۔"

"اگر میری موجودگی ضروری نہ ہو تو....!" حمید جملہ ختم کئے بغیر ہی خاموش ہو گیا۔

"میں جانتا ہوں کہ وہ تمہاری پرانی شناسا ہے اور تم اُس سے ملنے کے لئے ضرور جاؤ گے بہرحال میں تمہیں روکتا نہیں۔"

"شکریہ....!" حمید نے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

تھوڑی دیر بعد حمید کی موٹر سائیکل دارو والا بلڈنگ کی طرف جا رہی تھی۔ دارو والا بلڈنگ شہر کی مشہور عمارتوں میں سے تھی۔ اس کی شہرت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس کی تیسری منزل پر محکمہ خوراک کے دفاتر تھے۔ پہلی دوسری اور چوتھی منزلوں کے فلیٹ رہائش کے لئے استعمال ہوتے تھے اور ان کا کرایہ اتنا زیادہ تھا کہ صرف ذی حیثیت لوگ ہی اُن میں رہ سکتے تھے۔

حمید چوتھی منزل پر پہنچ کر سولہ نمبر کے فلیٹ کے سامنے رک گیا، جو مقفل تھا۔ دروازے کی داہنی جانب مس رعنا سلیم کے نام کی تختی نظر آئی اس کا رہا سہا شبہہ بھی رفع ہو گیا۔ ورنہ راستہ بھر وہ سوچتا آرہا تھا کہ کہیں احمق نہ بننا پڑے۔ وہ فریدی کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا۔ جب بھی حمید اُسے چوٹ دینے کی کوشش کرتا اس کی طرف سے جوابی کاروائی ضرور ہوتی۔ پچھلی رات اُس نے اُسے اُس مجسمے کے سلسلے میں بیوقوف بنانے کی کوشش کی تھی لہٰذا اُسے خدشہ تھا کہ فریدی اُس کا بدلہ ضرور لے گا۔

حمید کھڑا سوچ رہا تھا کہ برابر والے فلیٹ سے ایک لڑکی نکلی اور حمید کو وہاں کھڑے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ حمید نے پہلی ہی نظر میں اس کا پورا جائزہ لے لیا تھا۔ وہ ایک قبول صورت اور الٹرا موڈرن قسم کی لڑکی تھی۔ عمر اٹھارہ انیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ نیلے اسکرٹ میں وہ کافی حسین لگ رہی تھی۔

حمید نے اپنی فلٹ ہیٹ اتاری اور مودبانہ انداز میں بولا۔

"کیا آپ مس رعنا سلیم کے متعلق کچھ بتا سکیں گی۔"

لڑکی نے تحیر آمیز نظروں سے اُسے دیکھا اور پھر خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"آپ ٹھہرئیے۔ میں انہیں بلائے دیتی ہوں۔ غالباً نچلی منزل میں ہوں گی۔"

حمید اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک گرانڈیل قسم کے ادھیڑ آدمی کے ساتھ واپس آئی۔ پھر وہ تو اپنے فلیٹ میں چلی گئی اور وہ آدمی کھڑا حمید کو گھورتا رہا۔ اس نے خاکی گبرڈین کے پتلون پر چوڑی دھاریوں والی بنیائین پہن رکھی تھی۔ حمید نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ نشے میں ہے۔

"کیوں.... بیٹا؟" وہ بھاری بھرکم آواز میں غرایا۔

"کیا مطلب....!" حمید کی بھنویں تن گئیں۔

"ڈھمپ کٹل! مطلب پوچھتے ہو۔" اُس نے ہنس کر کہا۔ "کہاں ہے لونڈیا؟"

"ہوش میں ہو یا نہیں۔" حمید کو غصہ آ گیا۔

"لونڈیا کہاں ہے؟ مارتے مارتے ڈھمپ کٹل بنادوں گا۔ بتاؤ لونڈیا کہاں ہے ڈھمپ کٹل۔

"شٹ اپ.... !"

"شٹ اپ سے کام نہیں چلے گا ڈھمپ کٹل۔ کل رات وہ تمہارے ہی ساتھ گئی ڈھمپ کٹل اب رد اجمانے آئے ہو۔ بتاؤ ورنہ بھیجا پھاڑ دوں گا۔"

حمید چکرا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ برابر والے فلیٹ میں دستک دے یا اُسی الجھا رہے۔ اُسے ساتھ لانے والی اتنی بے تکلفی سے اپنے فلیٹ میں چلی گئی تھی جیسے تھوڑی قبل اُس سے اور حمید سے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

"میں رعنا سلیم کے متعلق پوچھ رہا تھا۔" حمید نے نرمی سے کہا۔

"اور نہیں تو کیا میں اُس کی ماں کے بارے میں کہہ رہا ہوں ڈھمپ کٹل! بتاؤ لونڈیا کہاں ہے۔

"ہوں۔" حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اور یہ ڈھمپ کٹل کیا ہے۔"

"ڈھمپ کٹل ہے۔ بتاؤ لونڈیا کہاں ہے۔"

اس بار حمید کی زبان نہیں چلی بلکہ ہاتھ چلا۔ وہ نشے میں تو تھا ہی۔ تھپڑ کا بار نہ سنبھال۔ لڑکھڑایا تو پیٹھ کھڑکی سے جا لگی۔ کھڑکی شائد اندر سے بند نہیں تھی۔ اس کے دونوں پٹ کھل۔ اور توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر اس کی کمر دوہری ہو گئی۔ اس کے منہ سے ایک کریہہ نکلی اور وہ دونوں ہاتھوں سے کمر تھام کر بیٹھ گیا۔ اس پر سے حمید نے ایک ٹھوکر بھی جڑ دی۔

لیکن دوسرا لمحہ ایسا نہیں تھا کہ اُسے اس آدمی کی طرف دھیان دینے کا موقعہ ملتا وہ بیٹھا رہا تھا اور اردگرد کے فلیٹوں سے لوگ نکلنے لگے تھے

حمید کی نظریں کھڑکی سے گذر کر کمرے کے اندر لگی ہوئی ایک بڑی تصویر پر جم گئیں او سو فیصدی اسی عورت کی تصویر تھی جس کی لاش وہ پچھلی رات کو پرویز کے یہاں دیکھ چکا تھا۔ نے پھر ایک اچٹتی سی نظر ان لوگوں پر ڈالی جو فلیٹوں سے نکل کر بالکنی میں جمع ہو رہے تھے۔ اسکرٹ والی لڑکی چوٹ کھائے ہوئے آدمی کو فرش سے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ حمید اس بات پر بڑی حیرت ہو رہی تھی کہ فلیٹ والوں نے یہ تک جاننے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی

واقعہ کیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انہیں چوٹ کھانے والے سے ذرہ برابر بھی ہمدردی نہ ہو۔

"سالے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ڈھمپ کٹل۔" وہ پھر اٹھ کر حمید کی طرف جھپٹا۔ لیکن اس بار حمید کی ٹانگ چل گئی اور اُسے خود ہی اعتراف کرنا پڑا کہ اس نے اس سے پہلے کبھی اتنی شاندار چپراس (غالباً فارسی میں "چپ راست") نہیں ماری تھی۔ وہ پھر ڈھیر ہو گیا اور اس بار اس کا سر دیوار سے ٹکرا گیا۔ وہ بیہوش ہو گیا تھا۔

نیلے رنگ کے اسکرٹ والی لڑکی پھر نیچے کی طرف جانے لگی۔

"ٹھہرو۔" حمید نے اُسے مخاطب کیا۔ "ادھر چلو! تم نیچے نہیں جاسکتیں۔"

"کیوں؟" وہ پلٹ کر حمید کو گھورنے لگی۔

"اپنے فلیٹ میں جاؤ۔" حمید تحکمانہ لہجے میں بولا۔

"نہیں جاتی.... تم کون ہو۔ میں ابھی پولیس کو اطلاع دیتی ہوں۔"

"میں پولیس کا باپ ہوں.... اندر جاؤ۔"

لڑکی نے تماشائیوں کی طرف دیکھا لیکن ان میں سے کسی نے بھی اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔

معاملات آہستہ آہستہ حمید کی سمجھ میں آتے جا رہے تھے۔

"لڑکی.... مجھے سختی پر مجبور نہ کرو۔ میں تمہیں اچھی طرح پہچانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ شریف آدمی تمہاری طرف داری کیوں نہیں کر رہے ہیں۔ اندر جاؤ۔"

بیہوش آدمی ابھی تک وہیں پڑا ہوا تھا کسی نے یہ بھی دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا۔ دفعتاً حمید نے آگے بڑھ کر اس لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور اُسے اس کے فلیٹ میں دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر لیا۔

"آپ کون ہیں؟" تماشائیوں میں سے ایک نے پوچھا۔

"سرکاری آدمی۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "ذرا ادھر آیئے۔"

حمید رعنا سلیم کے فلیٹ کی کھلی ہوئی کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔ اُس آدمی کے قریب پہنچتے ہی اُس نے تصویر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"وہ رعنا سلیم ہی ہے۔"

"جی ہاں!" اس نے سر ہلا کر کہا اور حمید کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔

"اس کار عنا سے کیا تعلق ہے۔" حمید نے بیہوش آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

"تعلق! کیا بتاؤں۔" اس نے کہا۔ "ان سب نے مل کر ہماری زندگی تلخ کر رکھی ہے۔ ہی کیا آپ نے جو مارتھا کو نیچے نہیں جانے دیا ورنہ وہ اس کے ساتھیوں کو بلا لاتی۔"

"ان دونوں کے علاوہ کوئی اور بھی لڑکی یہاں ایسی ہے۔"

"نہیں.... صرف یہی دونوں.... اور یہ ٹائیگر۔" اس نے بیہوش آدمی کی طرف کر کے کہا۔ "ایک خطرناک قسم کا غنڈہ ہے۔ ان دونوں سے پیشہ کراتا ہے۔"

"کیا اس کا نام ٹائیگر ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"نام کوئی نہیں جانتا۔ وہ خود کو فخریہ ٹائیگر کہتا ہے اور امریکی ڈاکوؤں کی طرح کا لباس پہنتا ہے۔"

"ہوں.... یہاں کہیں قریب فون ہے۔"

"جی ہاں.... میرے فلیٹ میں۔" تماشائیوں میں سے ایک نے کہا۔ "میرے ساتھ آیئے۔"

"آپ لوگوں نے پولیس کو اس کی اطلاع کیوں نہیں دی۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"اپنی شامت بلواتے یہ اور اس کے ساتھی ہمیں زندہ نہ رہنے دیتے۔ معاف کیجئے گا پو: خود اس سے پیسے کھاتی ہے۔"

تھوڑی دیر بعد حمید انسپکٹر جگدیش کو فون کر رہا تھا۔

"ہیلو.... انسپکٹر جگدیش.... میں حمید بول رہا ہوں.... مقتولہ کی رہائش کا پتہ چل گیا۔ والا بلڈنگ کی چوتھی منزل پر فوراً پہنچو۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی کو مقتولہ کا ٹھکانہ کیسے معلوم ہوا۔ اُسے اُس کے نام کا کیونکر ہوا۔ یہ بات تو اُس کی سمجھ میں اچھی طرح آگئی تھی کہ اس وقت فریدی نے دراصل سے پچھلی رات والی شرارتوں کا بدلہ لیا تھا۔

"اس غنڈے کے دوسرے ساتھی کہاں ہوں گے۔" حمید نے ایک سے پوچھا۔

"نیچے پہلے مالے میں فرینڈز ہوٹل جو ہے نا۔ وہ اسی سالے کا ہے اور اس کے ساتھی ہوتے ہیں۔"

دارو والا بلڈنگ سے کوتوالی زیادہ دور نہیں تھی اس لئے جگدیش کو وہاں پہنچنے میں دیر نہ لگ

"فریدی صاحب کہاں ہیں۔" جگدیش نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" حمید بولا۔ "سب سے پہلے اُن غنڈوں کو پکڑنا ہے۔"

فلیٹ والوں کی شناخت پر ٹائیگر اور اس کے ساتھیوں کو حراست میں لے لیا گیا۔ ٹائیگر کو ہوش آ گیا تھا اور وہ بوکھلائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ نیلے اسکرٹ والی مارتھا بھی حراست میں لے لی گئی۔ یہ بات تو ظاہر ہی ہو چکی تھی کہ وہ لوگ ان لڑکیوں سے پیشہ کراتے تھے لہٰذا حمید نے اُن سے رعنا کے متعلق پوچھ گچھ شروع کی۔

"تم نے یہ کیسے اندازہ لگا لیا تھا کہ کل رات کو رعنا جس کے ساتھ تھی وہ میں ہی تھا۔" حمید نے مارتھا کو مخاطب کیا۔

"میں نے اس کی شکل نہیں دیکھی تھی۔" مارتھا نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن اس نے سوٹ اسی قسم کا پہن رکھا تھا۔"

"کیا وہ یہاں آیا تھا؟"

"نہیں۔"

"پھر تم نے انہیں کہاں دیکھا تھا۔"

"آرلکچو میں۔"

"تو تم نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا۔"

"نہیں۔"

"یہاں اُس کے پاس کون کون آتا تھا۔"

"یہاں کوئی نہیں آتا۔" مارتھا نے کہا اور سر جھکا لیا۔

"سوسائٹی گرلز والا رویہ ہوگا ان کا۔" جگدیش مسکرا کر بولا۔

"کچھ ایسے آدمیوں کے متعلق بتا سکتی ہو جن کے ساتھ تم نے اُسے کبھی دیکھا ہوگا۔"

"یہ بتانا مشکل ہے۔ ہم دونوں کبھی ساتھ نہیں رہے۔"

"کیا تم جانتی ہو کہ کسی نے اُسے پچھلی رات کو قتل کر دیا؟"

"کیا....؟" مارتھا چیخ اٹھی۔ اس کی آنکھیں خوف اور حیرت سے پھیل گئیں تھیں۔

"صاحب ہم بے قصور ہیں۔" ٹائیگر ہاتھ جوڑ کر گڑگڑایا۔ اس کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

حمید رعنا سلیم کے فلیٹ کی تلاشی لینے کے متعلق سوچنے لگا۔

ایک تصویر

واپسی پر حمید کا سینہ فخر سے پھولا ہوا تھا۔ پورٹیکو میں قدم رکھتے ہی اُس نے انگریزی سرود میں سیٹی بجانی شروع کر دی۔ تلاشی کے دوران میں اس نے چند ایسی چیزیں دریافت کی تھیں جن کی اس کی نظروں میں بڑی اہمیت تھی۔

نوکروں سے معلوم ہوا کہ فریدی تجربہ گاہ میں ہے۔ حمید بڑی شان سے زینے طے کرتا ہوا اوپری منزل پر پہنچا۔ فریدی ٹسٹ ٹیوب میں کوئی سیال شے ڈالے ہوئے اسپرٹ لیمپ کی لو پر گردش دے رہا تھا۔ حمید کی آہٹ پر اس نے سر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر مشغول ہو گیا۔

حمید تھوڑی دیر تک خاموش کھڑا رہا لیکن جب فریدی اس کی طرف متوجہ نہ ہوا تو وہ خود ہی بولا۔

"رعنا سلیم آپ کے حسن کی بڑی تعریف کر رہی تھی۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم کوئی حماقت کر کے آئے ہو۔" فریدی بدستور سر جھکائے ہوئے بولا۔

"جی ہاں! میں نے اُس سے آپ کی شادی طے کر دی ہے۔"

"شکریہ۔" فریدی لاپروائی سے بولا اور پھر ٹسٹ ٹیوب کو اسپرٹ لیمپ سے ہٹا کر آنکھوں کے قریب لے جاتا ہوا بڑبڑایا۔ "یہ ذرات تحلیل نہیں ہو سکتے۔"

"خواہ میری کھوپڑی تحلیل ہو کر دریائے نربدا ہو جائے۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"کیا مضائقہ ہے؟ لیکن یہ ذرات۔"

"میں کہتا ہوں آخر اس طرح اُلو بنانے کی کیا ضرورت تھی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"محض اس لئے کہ میں تمہیں انگلی پکڑ کر نہیں چلانا چاہتا۔"

"نہیں بلکہ گردن پکڑ کر دھکا دینا چاہتا ہوں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"سنو! اس کیس کو تمہیں ہی نپٹانا ہے۔ میں آج کل بہت مشغول ہوں۔" فریدی نے کہا ٹسٹ ٹیوب کی سیال شے ایک برتن میں انڈیل دی۔ پھر اس نے رومال سے دونوں ہاتھ صا

کر کے سگار سلگایا اور حمید کے چہرے پر نظریں جماتا ہوا بولا۔ "بک چلو۔"

"بک بک بک بک۔" حمید نے ٹہلنا شروع کر دیا اس حرکت میں جھنجھلاہٹ بھی شامل تھی۔

فریدی ہنس پڑا۔

"میں کہتا ہوں اگر میں پٹ جاتا تو۔" حمید پلٹ پڑا۔

"آئندہ کے لئے سعادت مند ہو جاتے اور کیا۔"

حمید نے سوچا کہ زیادہ بات بڑھانا مناسب نہیں آخر اسے اپنی کارگزاریوں کی دھاک بھی تو بٹھانی تھی۔

"آپ کو اس کا نام اور پتہ کیسے معلوم ہوا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"اس کے ملاقاتی کارڈ سے، جو اس کے پرس سے برآمد ہوا تھا۔"

"رات آپ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔"

"کیوں؟"

"یونہی....!"

"اس تصویر کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔" حمید نے اپنی جیب سے ایک تصویر نکال کر فریدی کے سامنے ڈال دی۔ یہ اُسی تلاشی کے دوران میں ملی تھی۔

"معاملہ بالکل صاف ہو گیا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

اُس تصویر کے متعلق حمید نے بھی کچھ سوچا تھا لہٰذا وہ فریدی کی رائے معلوم کرنے کے لئے بے چین ہو گیا۔

"اور یہ کہ وہ ایک پیشہ ور قسم کی سوسائٹی گرل تھی۔" حمید نے کہا اور پوری روداد دہرا دی۔

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کا چہرہ صاف بتا رہا تھا کہ وہ بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔ دفعتاً وہ معنی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس نے اُن دونوں کو آرلکچنو میں کس وقت دیکھا تھا؟" فریدی نے پوچھا۔

"ساڑھے چھ اور سات کے درمیان۔"

"ٹھیک۔" فریدی پھر سوچ میں پڑ گیا۔

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا لیکن پھر فریدی کی خاموشی برداشت سے باہر ہو گئی۔

"ابھی آپ نے کہا تھا کہ معاملہ صاف ہو گیا۔"

"اوں!" فریدی نے چونک کر انگڑائی لی اور حمید کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"معاملہ قطعی صاف ہو گیا۔ پرویز حقیقتاً وہاں اس عورت کی موجودگی سے لاعلم تھا اور نے اسی ربر کے مجسمے کے دھوکے میں اس کی گردن دبا دی۔"

"کیا پرویز کو ہوش آ گیا۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"پھر آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"اس سلسلے میں جتنے بھی واقعات پیش آئے ہیں انہیں یکجا کر کے ترتیب دے لو اور پھر پر کی پچھلی زندگی اور اسکے عادات و اطوار کی روشنی میں ان کا جائزہ لو۔ بات سمجھ میں آ جائے گی۔"

"مجھے ان لوگوں کے بیان پر شبہ ہے۔" حمید بولا۔

"کیوں؟"

"مجھے وہ بھی اس سازش میں شریک معلوم ہوتے ہیں۔"

"کیا تم قتل کے مقصد سے واقف ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں؟"

"پھر تم نے لفظ سازش کیسے استعمال کیا۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی پرویز سے ملے ہوئے ہیں۔"

"غلط سمجھے.... یہ ہو سکتا ہے کہ وہ سب یا ان میں سے کوئی اُس آدمی سے تعلق رکھتا ہو ج کی وجہ سے یہ حادثہ رونما ہوا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"یہ قتل پرویز سے نادانستگی میں کرایا گیا ہے۔"

"کس طرح؟"

"جس طرح تمہاری کھوپڑی الٹ گئی ہے۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ وقت تمہارا ذہن اس عورت میں الجھا ہوا ہے جسے پولیس کے سپرد کر آئے ہو۔"

"اس سے میں بہت بڑے بڑے کام لینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"بکو مت۔" فریدی تجربہ گاہ سے نکل کر نیچے چلا گیا۔ حمید نے منہ بنا کر اپنے شانے سکوڑے اور وہ بھی اُس کے پیچھے چل پڑا۔

فریدی ابھی زینوں ہی پر تھا کہ باہر کی گھنٹی بجی۔ شاید کوئی ملاقاتی تھا۔ وہ کچھ دیر صحن میں کھڑا رہا لیکن جب کوئی کسی کا ملاقاتی کارڈ لے کر اندر نہ آیا تو وہ خود ہی ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔ آنے والا شاید اُسی کے محکمے سے تعلق رکھتا تھا ایسے لوگوں کے لئے ملاقاتی کارڈ کی رسمی قید نہیں تھی۔ وہ عموماً گھنٹی استعمال کرنے کے بعد ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرتے تھے۔

حمید برآمدے ہی میں تھا کہ فریدی ڈرائنگ روم سے واپس آ گیا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔

"کچھ نہیں.... فضول.... میں پہلے ہی سمجھا تھا۔" وہ کاغذ پر نظریں جمائے ہوئے بڑبڑایا۔

"کیا....!"

"فنگر پرنٹ والوں کی رپورٹ ہے۔ پٹرول کے ٹین پر تمہاری انگلیوں کے نشانات کے علاوہ اور کچھ نہیں ملا۔"

"اس نے دستانے پہن رکھے ہوں گے؟"

"ہاں کافی ہوشیار آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"ہوگا.... اُس معاملے کو بھی تو صاف کیجئے نا۔" حمید اکتا کر بولا۔

فریدی تھوڑی دیر تک اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔

"پرویز نے اُس عورت کی نقل کیوں تیار کرائی تھی۔"

"بدبختی تھی سالے کی۔" حمید نے بھنا کر کہا۔

"اور چیخوں والا ریکارڈ کیوں بنوایا تھا۔" فریدی رو میں بولتا رہا۔ "اس کی شخصیت اتنی پُراسرار کیوں تھی؟ وہ دنیا سے بے تعلق اُس عمارت میں کیوں بند رہتا تھا؟ اس کے اندر اذیت پسندانہ رجحانات کیوں پیدا ہوئے تھے؟"

حمید خاموش رہا۔

"اس نے دو ماہ قبل جاپانیز مرچنٹس کارپوریشن کے ذریعہ ایک ایسا مجسمہ تیار کرایا، جو ایک عورت کی نقل تھا۔ ایک ایسا ریکارڈ تیار کرایا جس میں صرف چیخیں تھیں۔ کل رات اُسے اس

کمرے میں مجسمے کی بجائے اُس عورت کی لاش ملی جس کی نقل وہ مجسمہ تھا۔ پھر تم نے کسی نامعلو آدمی کو دیکھا، جو اس مجسمے کو جلانے کی کوشش کر رہا تھا اس کا مطلب یہ ہوا کہ کل رات اس مجسمے ک جگہ اس کی ہم شکل عورت نے لے لی تھی۔ آخر پرویز نے اُسے مار کیوں ڈالا؟ اور اعتراف جر کے ساتھ ہی ساتھ اپنی بے گناہی کیوں ثابت کرتا رہا۔"

فریدی خاموش ہو کر حمید کی طرف دیکھنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ "مرچنٹس کارپوریشن کے منتظم نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ مجسمہ خاص طور سے آرڈر دے کر بنوایا گیا تھا۔ اُس کے لئے پرویز نے اس عورت کی پوری تصویر دی تھی ساتھ ہی ریکارڈ کا آرڈر بھی۔"

"چلئے میں سمجھ گیا کہ وہ مجسمہ بنوایا گیا تھا؟" حمید نے کہا۔ "لیکن میں اس پر کیسے یقین کر لو کہ پرویز نے اُسے نادانستگی میں مار ڈالا۔"

"اس کی بھی وجہ ہے تم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھ سکتے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ تم اس نقب کو کیوں بھول گئے۔ چلو خیر اسے بھی جانے دو۔ پرویز نے اگر اسے جان بوجھ ک مار ڈالا تھا تو اس نے اُس کی لاش کو ٹھکانے کیوں لگا دیا اس کے لئے کافی موقع تھا ظاہر ہے کہ اگر رات بھر بھی اس کمرے میں بند رہتا تو کسی نوکر کی ہمت اس کے قریب آنے کی نہ پڑتی کیونکہ اُس کمرے ہی سے خائف تھے۔

"نہیں۔" حمید نے کہا۔ "میں اُس نقب کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اُس نقب ہی کی بناء پر ک رہا ہوں کہ پرویز نے اُسے جان بوجھ کر قتل کیا تھا اور اسے ٹھکانے لگا دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس نے اُسے مار ڈالنے کے بعد خود ہی نقب لگائی مگر نہیں۔۔۔ اگر یہ بات تھی تو وہ کمرے کے اند کس طرح پہنچی تھی۔"

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ "بس بوکھلا گئے۔ چلو سنو! تمہارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں اُس نے اُسے جان بوجھ کر یا اپنے ہوش میں قتل کیا۔ ہو سکتا ہے کہ میری تھیوری غلط ہو لیکن م نے امکانات ہی کی روشنی میں اُسے مرتب کیا ہے۔ میری دانست میں کسی شخص نے، جو پرویز اس کے معمولات سے اچھی طرح واقف تھا اس عورت کو نقب کے راستے کمرے میں پہنچایا اُسے وہیں ٹھہرنے کی تاکید کر کے وہ ریکارڈ اور مجسمہ وہاں سے نکال لے گیا اور ہو سکتا ہے کہ نے وہاں دیا سلائی اور موم بتی بھی غائب کر دی ہو۔ اس کے جانے کے بعد پرویز اندر داخل ہو

اور اندھیرے میں اس عورت کو مجسمہ ہی سمجھ کر اس کا گلا گھونٹنے لگا ہو۔"

"بھلا مجسمے کا گلا گھونٹنے سے کیا مراد؟" حمید نے اُسے ٹوکا۔

"تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ گراموفون پر چیخوں کا ریکارڈ لگا کر اُس مجسمے کی پوجا کرتا رہا ہوگا۔ کیا تمہیں نوکروں کا بیان یاد نہیں۔ کیا پرویز کی ان حرکتوں کا علم نہیں جو وہ ننھے ننھے پرندوں گلہریوں اور تتلیوں کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ کیا تم اس کا مطلب بتا سکتے ہو کہ وہ نر پرندوں کو چھوڑ کر صرف مادہ پرندوں ہی کو کیوں اذیت دیتا تھا۔۔۔۔ بہر حال" وہ تھوڑی دیر رک کر پھر بولا۔ "میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر وہ عورت اُسے روزِ روشن میں کہیں مل جاتی تو وہ اُسے زندہ نہ چھوڑتا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ۔۔۔۔!"

"قطعی! میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اُس سے یہ قتل نادانستگی میں سرزد ہوا۔"

"آخر وہ کون ہو سکتی ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"عورت۔۔۔۔ عورت۔۔۔۔ عورت۔" فریدی دانت پیس کر بولا۔

حمید اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"یہ ایک ایسی ضرورت ہے جس سے پیچھا چھڑانا محال ہے؟ یہ صرف انہیں لمحات میں تم پر جان دیتی ہے جب تم نے اُس کے جذبات ابھار دیئے ہوں اور اس کے علاوہ وہ صرف ماں بن سکتی ہے، بہن بن سکتی ہے اور بیٹی بن کر وفادار رہ سکتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا؟" حمید بوکھلا کر بولا۔

"کچھ نہیں میں نے ایک غیر متعلق بات شروع کر دی تھی۔ ویسے مختصراً یہ کہ رعنا کبھی نہ کبھی پرویز کی بیوی ضرور رہی ہوگی۔"

"بیوی!" حمید تقریباً چیخ پڑا۔

"قیاس ہے۔ فی الحال میرے پاس اس کا واضح ثبوت نہیں۔"

"اگر وہ اس کی بیوی تھی تو میں بیویوں کے مستقبل سے مایوس ہوں۔"

"بیوی!" فریدی پُر خیال انداز میں بڑبڑایا۔ "شٹ اپ۔۔۔۔ اس لفظ کو بار بار نہ دہراؤ۔"

"کیا کفن اور کافور دکھائی دینے لگتا ہے آپ کو۔" حمید ہنس پڑا۔

فریدی پھر کسی خیال میں ڈوب گیا۔

"نہ آپ شادی کرتے ہیں اور نہ دوسروں ہی کو شادی شدہ دیکھ سکتے ہیں۔" حمید نے چٹکی لی۔

"میں نہیں چاہتا کہ تمہارا محبوب ترین موضوعِ گفتگو دیر تک جاری رہے۔" اس نے کہا اور چند لمحے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے کچھ سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "بہرحال وہ عورت بھی دھوکے ہی میں ماری گئی۔"

"کیوں؟"

"تم شاید کچھ اور سوچ رہے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ وہاں مرنے کی نیت سے تو نہ آئی ہوگی۔"

"ظاہر ہے۔"

"میرا تو خیال ہے کہ پرویز یہ جانتا ہی نہ رہا ہوگا کہ وہ بھی اسی شہر میں مقیم ہے۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگا کر کہا۔ "تم بالکل الو ہو! تم نے مجھے فون کیوں نہیں کیا۔ اس دوسری لڑکی کو حراست میں نہ لینا تھا۔"

"کیوں....؟"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"ہزاروں حیلے تھے۔ خیر جو کچھ بھی ہوا بہتر ہی ہوا۔ اب کیا کرنا ہے؟" وہ سوالیہ نظروں سے حمید کو دیکھنے لگا۔

"غالباً پرویز کی بیہوشی رفع ہونے کا انتظار ہی بہتر رہے گا۔" حمید بولا۔

"مہمل۔" فریدی بڑبڑایا۔ "اس سے کیا ہوگا۔ وہ زیادہ سے زیادہ اپنا اور اس عورت کا تعلق ظاہر کر دے گا۔ اس آدمی کے متعلق شاید وہ بھی کچھ نہ بتا سکے جو اس قتل کا باعث بنا ہے۔"

"کیوں؟"

"پھر وہی کیوں؟" فریدی جھنجھلا گیا۔ "تم آدمی ہو یا کسی کی نقل۔ یا افیون کھا رکھی ہے اگر اس آدمی کو یہ یقین ہوتا کہ پرویز کی شخصیت پر روشنی ڈال سکے گا تو وہ ایسی حرکت ہی نہ کرتا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی کہنا کیا چاہتا ہے۔

"اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس نے اس عورت کو پرویز ہی کے ہاتھوں کیوں قتل کرایا؟" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"ضرور دیکھئے۔" حمید نے بے دلی سے کہا۔ وہ حقیقتاً اس لڑکی کے متعلق سوچنے لگا تھا جسے

پولیس کے حوالے کر آیا ہے۔ ان دنوں اس کی زندگی کچھ خشک سی گذر رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ تفتیش ہی کے بہانے اس سے تھوڑے بہت تعلقات پیدا کر لیتا تو یہ پہاڑ سے دن اور اُجاڑ سی راتیں اتنی گراں نہ گذرتیں وہ سوچتا رہا اور فریدی بولتا رہا۔ "پرویز کی نیند کا سلسلہ شاید ابھی ختم نہ ہو۔ سالہا سال کی بے خوابی کا شکار ذہن کچھ دن آرام ضرور کرے گا جس خلش نے اُسے نیند سے محروم کر دیا تھا وہ رفع ہو گئی۔"

"کون سی خلش؟" حمید چونک کر بے خیالی میں بولا۔

"یہ خلش کہ حمید کی موت فریدی کے ہاتھوں واقع ہو گی۔" فریدی نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"آخر آپ آج کاٹنے کو کیوں دوڑ رہے ہیں۔"

"تمہیں یہاں آنے کی بجائے آرلکچو میں جانا چاہئے تھا، ممکن ہے کہ وہ دونوں وہاں روز جاتے رہے ہوں۔"

"میں کہتا ہوں سیدھا راستہ اختیار کیجئے۔" حمید نے کہا۔ "پرویز کے نوکروں میں سے کوئی اس آدمی کو ضرور جانتا ہوگا۔ کیونکہ پرویز کا کوئی نوکر ہی اُسے پرویز کے معمولات سے باخبر کر سکتا ہے۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ سب اس سے لاعلم ہیں۔" فریدی کے لہجے میں خود اعتمادی تھی۔

دوسرا پاگل

تین دن گذر گئے۔ لیکن پرویز کی حالت میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ پھر بھی ڈاکٹروں کو توقع تھی کہ وہ خود ہی کسی وقت ہوش میں آجائے گا۔

اس دوران میں فریدی اور حمید دونوں بے حد مشغول رہے۔ حمید نے اپنے شبہے کے مطابق پرویز کے نوکروں کو ہر طرح ہلایا جلایا لیکن کوئی کام کی بات معلوم نہ ہو سکی۔ آرلکچو کی تحقیقات میں بھی مایوسی ہی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس سے فریدی نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ رعنا اور وہ گم نام آدمی روزانہ کے گاہکوں میں سے نہیں تھے۔ فریدی پرویز کے کاغذات میں بھی الجھا رہا۔ یہ بھی تو دیکھنا تھا کہ آخر پرویز کون ہے۔ اس کا ذریعہ آمدنی کیا ہے؟ اس کے دوسرے اعزہ بھی ہیں؟ اگر ہیں تو کیا ہیں؟ حمید اس کی مصروفیات میں مخل نہ ہوا اور نہ ہی اس نے اس سے یہی دریافت کیا کہ اسے

کچھ کامیابی ہوئی یا نہیں اس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ دارو والا بلڈنگ کے غنڈے مارتھا ر ضمانت پر رہا ہو گئے تھے اور حمید مارتھا کے ساتھ مصروف تفتیش تھا۔ فریدی نے بھی اس ط دھیان نہیں دیا۔

آج بھی حمید نے پہلے ہی سے کوئی خاص قسم کا پروگرام بنا رکھا تھا لہٰذا جب فریدی نے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو وہ چھیل گیا۔

"میں کہیں نہیں جا سکتا! خواہ مخواہ مجھے بور نہ کیجئے۔ میں پرویز والے معاملے میں الجھا ہوا ہوں"

"اسی سلسلے میں تمہیں تکلیف دی جا رہی ہے۔" فریدی بولا۔

"کیوں آپ نے تو کہا تھا کہ میں کسی دوسرے معاملے میں مصروف ہوں۔"

"فی الحال میں نے اُسے ملتوی کر دیا ہے۔"

"لیکن میں دوسرا پروگرام بنا چکا ہوں۔"

"شٹ اپ....!" فریدی بگڑ کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم آج کل اسی بہانے کس قسم پروگرام بنا رہے ہو۔ تم کل رات بھی مارتھا کے ساتھ آرلکچو میں رقص کر رہے تھے۔"

"تو پھر....!" حمید نے آنکھیں نکال کر کہا۔ "میں اس کی پوجا کر کے تو مجرم تک پہنچ نہیں سکتا"

"چلو کپڑے پہنو۔" فریدی نے اُسے اس کے کمرے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی کی کیڈیلاک کمپاؤنڈ سے سڑک پر نکل رہی تھی۔

"اب تو بتا دیجئے کہ ہمیں کہاں جانا ہے۔" حمید بے بسی سے بولا۔

"سعید آباد۔"

"کیا....؟" حمید اچھل کر بولا۔

"کیوں کوئی خاص بات۔"

"کون سا سعید آباد۔" حمید نے پھر پوچھا۔

"تو کیا اس صوبے میں کئی سعید آباد ہیں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

"جانتے ہیں آپ کتنی دور ہے سعید آباد۔"

"اٹھاسی میل۔"

"اس بھاگ دوڑ کا مطلب۔"

"پرویز کے سلسلہ نسب کا پتہ چل گیا ہے۔"

"جو غالباً عوج بن عنق سے ملتا ہوگا۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

"وہ سعید آباد کے ایک رئیس کا لڑکا ہے۔"

"کیسے معلوم ہوا۔"

"پرویز کے کاغذات سے۔" فریدی نے کہا۔ "اس کا سوتیلا بھائی اب بھی غالباً سعید آباد ہی میں رہتا ہے۔"

"سوتیلا بھائی؟" حمید چونک کر بولا۔

"ہاں.... لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہمارا شکار وہی ہو۔ ویسے بظاہر اس حادثے کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ پرویز کی دولت ہتھیائی جائے۔"

"کیوں؟ یہ کس طرح؟"

"یہ اس طرح کہ اگر اُس شخص کا پتہ نہیں لگتا تو پرویز کا راستہ پھانسی کے تختے تک بالکل صاف ہے؟"

"اوہ....!"

"لیکن یہ بات پھر بھی صاف نہیں ہوئی کہ اس پُراسرار آدمی کو پرویز کے معمولات کا علم کیونکر ہوا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔

تین گھنٹے بعد وہ سعید آباد پہنچ گئے۔ دن ڈھل رہا تھا اور اس چھوٹے سے شہر پر اضمحلال سا طاری ہوتا جا رہا تھا۔ سرور لاج تک پہنچنے میں انہیں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ یہ پتھر کی سلوں سے بنائی ہوئی ایک بہت بڑی عمارت تھی جس کے سامنے ایک کشادہ پائیں باغ تھا۔ باغ کی چہار دیواری جدید طرز کی تھی۔

فریدی کی کیڈی پھاٹک سے گذرتی ہوئی پورٹیکو میں جا کر رک گئی۔

حمید کی نظریں جو ہر چیز کا مضحکہ خیز پہلو تلاش کر لینے میں کافی مشاق تھیں یہاں بھی محروم نہ رہ سکیں۔ اس نے برآمدے میں ایک عجیب الخلقت آدمی دیکھا۔ یہ تھا تو نوجوان العمر ہی لیکن اس نے اپنا حلیہ بڑا مضحکہ خیز بنا رکھا تھا۔ اگر ڈھنگ سے ہوتا تو اس کی شخصیت یقیناً جاذب توجہ

ہوتی۔ اس نے نیلے رنگ کی سلک کا ایک لمبا سا لبادہ پہن رکھا تھا اور پیروں میں غالباً خرگوش کی کھال کے سلیپر تھے۔ ڈاڑھی مونچھیں صاف تھیں۔ سر کے نچلے حصوں میں گھنے اور سیاہ بال تھے بیچ کا حصہ بالکل صاف اور سپاٹ تھا۔ شاید اس نے اپنی بھنوئیں بھی مونڈ رکھی تھیں۔

فریدی اور حمید کو کار سے اترتے ہوئے دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا لیکن کچھ بولا نہیں۔ البتہ اس کے چہرے پر ایسی الجھن کے آثار نظر آ رہے تھے جو تنہائی پسند آدمیوں کی طبیعت کا خاصہ ہوتی ہے۔

"ہیلو....!" اس نے اپنی آنکھوں کو گردش دی۔

فریدی اور حمید اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔ حمید کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس کے سر کے درمیانی حصے کی صفائی میں قدرت کا ہاتھ نہیں تھا بلکہ اُس پر اُسترہ چلایا گیا تھا۔

"کیا تنویر صاحب تشریف رکھتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"تنویر صاحب تشریف رکھتے ہیں فرمایئے۔" وہ کھنکھناتی ہوئی آواز میں بولا۔

فریدی نے اپنا ملاقاتی کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔

"سی آئی ڈی انسپکٹر! گڈ گلاڈ....! ہلو۔" وہ فریدی کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"میں تنویر صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"ملئے.... ملئے.... تشریف رکھئے۔" اس نے کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔

حمید نے معنی خیز انداز میں اس کی طرف دیکھا اور پھر فریدی کو گھورنے لگا۔

"اے منڈو!" اس نے شاید کسی نوکر کو پکارا۔ "بیگم صاحب کو بولو، سب دودھ بہا جا رہا ہے۔"

"تو آپ ہی تنویر صاحب ہیں۔" فریدی نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

"جی ہاں۔" تنویر نے ہاتھ ملانے کے بجائے اپنی چھڑی فریدی کے ہاتھ میں دے دی اور دروازے کی طرف دیکھ کر چیخا۔ "ارے بھئی دودھ بہا جا رہا ہے۔"

حمید پر تولنے لگا۔ اگر وہ تنہا ہوتا تو اس کا سر ضرور سہلاتا۔

"نہیں بہہ رہا ہے۔" دروازے سے ایک مترنم قسم کی نسوانی آواز آئی۔

حمید اور فریدی چونک کر مڑے۔ عورت قبول صورت اور دلکش تھی۔ عمر بیس اور پچیس کے درمیان میں رہی ہوگی۔ دونوں کھڑے ہو گئے۔

"بیگم آپ سے ملئے.... فریدی احمد صاحب! سی آئی ڈی انسپکٹر۔"

"فریدی۔" فریدی نے مسکرا کر قدرے جھکتے ہوئے تصحیح کی۔

"تشریف رکھئے۔" بیگم نے پھر حمید کے کانوں میں شربت کی پچکاری لگائی۔

"سب دودھ بہہ گیا؟" تنویر نے بچوں کی طرح اُس سے پوچھا۔

"نہیں بہا؟" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"میں پرویز صاحب کے متعلق کچھ پوچھنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"پرویز بھائی!" مسز تنویر چونک پڑی۔ "ہاں ہاں فرمایئے۔"

"انہیں ایک حادثہ پیش آ گیا ہے؟"

"کب اور کہاں؟" عورت تقریباً چیخ کر بولی۔

"اوہ....!" تنویر ہاتھ ہلا کر بولا۔ "یہ پوچھو! زندہ ہے یا مر گئے۔"

حمید نے اُسے عجیب نظروں سے دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

"چپ رہئے۔" مسز تنویر بگڑ کر بولی۔ پھر فریدی کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ "کہاں پیش آیا ہے کیا بات ہے ہمیں تقریباً تین چار سال سے ان کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"ہم اُن کے متعلق صرف ایک ہی بات معلوم کرنا چاہتے ہیں۔" تنویر پھر بولا۔ "زندہ ہیں یا مر گئے۔ اگر بیمار ہیں تو کب تک مر جانے کی امید ہے اور یہ کہ کچھ بینک بیلنس بھی ہے یا خالی ہاتھ مر رہے ہیں۔"

"تنویر ڈارلنگ.... خدا کے لئے۔" مسز تنویر ہاتھ اٹھا کر بولی۔

"وہ کئی دنوں سے بیہوش ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"ویری گڈ۔" تنویر اپنی ران پر ہاتھ مار کر اچھلا۔ "تب تو جلد ہی مرنے کی امید کی جا سکتی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ مرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔" حمید نے اُسے آنکھ مار کر کہا۔

"ہائے سب دودھ بہا جا رہا ہے" تنویر نے بیوی کی طرف دیکھ کر ہانک لگائی۔

"نہیں بہہ رہا ہے۔" وہ دانت پیس کر بولی۔ پھر فریدی سے مخاطب ہوئی "بتایئے نا کیسے بیہوش ہوئے؟"

"انہوں نے ایک عورت کو مار ڈالا ہے۔"

"ہائے غضب!" مسز تنویر سینے پر ہاتھ مار کر اچھل پڑی۔

"ایک عورت نے انہیں مار ڈالا۔ ہپ ہپ ہرا۔" تنویر تالی پیٹنے لگا۔

"چپ رہو.... چپ رہو۔" اس کی بیوی اُسے جھنجھوڑ رہی تھی۔

بمشکل تمام تنویر خاموش ہوا۔ فریدی اُسے تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔

"میں آپ سے کیا عرض کروں۔" اس کی بیوی جھینپے ہوئے انداز میں کہہ رہی تھی۔ "گرمیاں شروع ہوتے ہی یہ ایسے ہو جاتے ہیں۔"

"تو اس خاندان میں سبھی ایسے ہوئے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"مطلب یہ کہ یہ مرض موروثی تو نہیں۔" فریدی بولا۔

"پرویز بھائی نے کسے قتل کر دیا۔ وہ کون عورت تھی؟"

"رعنا سلیم۔"

"نام تو بڑا حسین ہے۔" تنویر بولا۔ "خود بھی حسین رہی ہو گی۔ ارے بھئی دودھ بہا جا رہا ہے۔"

"نہیں بہہ رہا ہے۔" اُس کی بیوی اس کا شانہ تھپکتی ہوئی بولی۔

"رعنا سلیم کون تھی؟" اس نے فریدی سے پوچھا۔

فریدی نے جیب سے وہی تصویر نکالی، جو حمید کو رعنا سلیم کے فلیٹ کی تلاش کے سلسلے میں ملی تھی۔ اس میں پرویز اور رعنا سلیم دونوں ساتھ تھے۔

"یہ عورت....!" مسز تنویر بے اختیار چیخی۔ "ہائے غضب ثمینہ باجی۔"

اُس نے اپنا منہ بازوؤں میں چھپا لیا۔

"ثمینہ....!" تنویر آہستہ سے بڑبڑایا۔ "لاؤ دیکھوں تو۔"

اُس نے تصویر زمین سے اٹھالی۔

"بے شک ثمینہ ہی ہے۔" اس نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔ پھر اپنی بیوی کی طرف دیکھا جو بازوؤں میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔ وہ اُس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "ارے بھئی.... سارا دودھ بہا جا رہا ہے۔"

"دیکھا آپ نے۔" وہ فریدی کی طرف شکایت آمیز نظروں سے دیکھ کر بولا۔ "یہ میری بیوی ہے۔"

"ثمینہ سے پرویز کا کیا تعلق تھا۔" فریدی نے اُس کی بات کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

"وہ پرویز کی بیوی تھی۔ اس کے ہاتھوں ماری گئی.... اور یہ بیوی بھی....!"

"چپ رہو۔" مسز تنویر چیخ پڑی۔

"کیا ان دونوں کے تعلقات اچھے نہیں تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"پتہ نہیں!" تنویر منہ چڑھا کر بولا۔ "تم نے خواہ مخواہ میری ننھی منی بیوی کو رلا دیا۔ ثمینہ اس کی چچازاد بہن تھی.... ہائے سب دودھ بہا جا رہا ہے۔"

"محترمہ ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے۔" فریدی نے اُسے دلاسا دیا۔

"کیوں مار ڈالا.... انہوں نے کیوں مار ڈالا۔"

"یہ تو ان کے ہوش میں آنے پر معلوم ہو گا۔"

"کیا ہوش میں آ جانے کے امکانات ہیں۔" تنویر نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔"

"تب تو بیہوشی ہی فضول ہے۔" تنویر بولا۔ "یار کچھ ان کے بینک بیلنس کے متعلق تو بتاؤ۔"

"تنویر تم جانور ہو.... بالکل جانور۔" اس کی بیوی چیخی۔

"یہ دیکھئے یہ میری بیوی ہے.... میری جان میں بھی تمہیں مار ڈالوں گا۔"

"تمہارا خاندان ہی خونی ہے۔"

"پاندان! کیا کہا پاندان۔" تنویر بڑبڑایا۔ پھر فریدی سے پوچھنے لگا۔ "آخر خاندان کے نام پر مجھے پاندان کیوں یاد آ جاتا ہے۔"

تنویر کی بیوی نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ "چلو! اندر چلو۔"

"مائی ڈیئر انسپکٹر رخصت۔" تنویر نے فریدی کی طرف دیکھ کر مایوسی سے کہا۔ "یہ پاگل عورت مجھے قبر ہی میں دھکیل کر دم لے گی۔ ہائے سب دودھ بہا جا رہا ہے۔"

"نہیں بہہ رہا! اندر چلو۔" وہ اُسے دروازے کی طرف دھکیلتی ہوئی فریدی سے بولی۔ "میں ابھی آتی ہوں۔"

فریدی اور حمید عجیب نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد مسز تنویر واپس آ گئی۔

"ہاں اب بتایئے انسپکٹر صاحب۔" اُس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "پوری گرمیاں مصیبۃ گذریں گی۔"

"میرا خیال ہے کہ پرویز صاحب کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔"

"ان لوگوں کی نسل ہی ایسی ہے۔" وہ رازدارانہ انداز میں بولی۔ "ان کے باپ بھی تھ سے جھکی تھے۔"

"پرویز اور ثمینہ کے تعلقات کیسے تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"پہلے تو اچھے تھے۔"

"پہلے سے کیا مطلب۔"

"پانچ سال قبل ہم سب اکٹھا رہا کرتے تھے۔ اس وقت ان کے باپ حیات تھے۔ ان کے کے بعد بٹوارہ ہو گیا۔ پرویز نے اپنی غیر منقولہ جائیداد بیچ ڈالی اور ثمینہ کو لے کر کہیں چلے گئے۔ کے بعد ان کا کچھ پتہ نہیں کبھی سننے میں آیا کہ افریقہ میں ہیں.... اور کبھی جنوبی افریقہ میں۔

"ثمینہ آپ کی چچازاد بہن تھی۔"

"جی ہاں۔"

"اس کے والدین کا پتہ بتایئے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میرے علاوہ ان کا کوئی عزیز قریب زندہ نہیں۔"

"تنویر صاحب کے علاوہ پرویز کا کوئی اور وارث۔" فریدی نے پوچھا۔

"خدا کے لئے تنویر صاحب کی باتوں پر دھیان نہ دیجئے گا۔ گرمیوں بھر اُن کی یہی رہے گی۔ اکثر مجھ سے کہتے ہیں کہ خدا کرے تم مر جاؤ تو میں دوسری شادی کروں۔ وہ بھی مر تو تیسری کروں اور اسی طرح چوتھی.... پانچویں.... کل کہہ رہے تھے کہ میں اپنی پلکیں ڈالوں گا۔ کبھی کبھی کہتے ہیں کہ چہرے پر اُبھری ہوئی ناک بُری لگتی ہے۔ خوبصورت آدمی چہرہ بالکل سپاٹ ہونا چاہئے۔ بعض اوقات اپنے دونوں کان پکڑ کر اکھاڑنے کی کوشش ہیں۔ کہتے ہیں یہ کیا ادھر اُدھر نکلے ہوئے ہیں کیا خدا یہاں کنول کے پھول نہیں لگا سکتا تھا۔

حمید ہنسنے لگا اور آہستہ سے بولا۔ "انہیں ایک شفاخانے میں داخل کرا دیجئے۔ ڈاکٹر شفاخانہ.... تین دن میں ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"اور یہ دودھ کا کیا قصہ ہے۔" فریدی نے پُر خیال انداز میں پوچھا۔

"دن رات باورچی خانے میں دودھ پکواتے رہتے ہیں۔ ذرا ذرا سی دیر بعد کہتے ہیں دیکھو دودھ بہا جا رہا ہے۔ دودھ کبھی استعمال نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ مجھے صرف بالائی پڑنے کا منظر بڑا حسین لگتا ہے۔ ہاں آپ نے کسی ڈاکٹر کا نام بتایا تھا۔"

"کوئی نہیں! یونہی۔" فریدی نے جلدی سے کہا۔ "تو پرویز کا کوئی اور وارث نہیں۔"

"جی نہیں! لیکن خدارا.... تنویر صاحب کی بات کو کوئی اہمیت نہ دیجئے گا۔" مسز تنویر نے کہا۔

کار میں لاش

کافی رات گئے فریدی اور حمید سعید آباد سے واپس ہو رہے تھے انہوں نے بڑی دیر تک اِدھر اُدھر سر مارا تھا۔ سعید آباد کی کوتوالی میں بھی کچھ دیر ٹھہرے تھے۔ یہاں ساری پوچھ گچھ تنویر ہی کے متعلق ہوئی تھی۔ تنویر کے خاندان سے واقفیت رکھنے والے بھی یہ نہ بتا سکے کہ پرویز نے کہاں بودوباش اختیار کر رکھی تھی۔ تنویر کے متعلق سب نے تصدیق کی کہ گرمیوں میں اس کا دماغی توازن گڑبڑا جایا کرتا ہے۔

تنویر کا شمار سعید آباد کے نیک نام اور خدا ترس لوگوں میں ہوتا تھا۔ فریدی نے اس کے متعلق جو معلومات فراہم کی تھیں انہیں مدِ نظر رکھتے ہوئے کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ پرویز والے معاملے میں اس کا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے۔

"مگر اس کا پاگل پن عجیب ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہے تو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "لیکن۔"

وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"میں اس سے ایک بار پھر ملوں گا؟" حمید نے کہا۔

"مگر پاگلوں سے تو تم ڈرتے ہو۔"

"سنجیدہ قسم کے پاگلوں سے نہیں۔ میں انہیں پاگلوں سے ڈرتا ہوں جن سے جان پہچان نہ ہو۔ اچھا بھلا بتایئے میں کبھی آپ سے ڈرا ہوں۔"

فریدی شاید جواب دینے کے موڈ میں نہیں تھا یا پھر شاید کچھ اور سوچ رہا تھا۔

"آپ شاید اس کی بیوی کے متعلق سوچ رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "ہونا بھی چاہئے قدرتی بات ہے۔ جب کوئی مجرد آدمی کسی شادی شدہ جوڑے کو دیکھتا ہے تو دل میں ٹیس ضرور اٹھتی ہے۔ اگر آج آپ شادی شدہ ہوتے تو آپ کی بیوی بھی بیچاری ملنے والوں سے یہی کہتی کہ آپ ان کی باتوں کا بُرا نہ مانئے گا۔ یہ چوبیسوں گھنٹے سراغ رساں رہتے ہیں۔"

"یہ بات بھی اب صاف ہو گئی کہ ثمینہ پرویز کی بیوی تھی۔" فریدی بولا۔ "لیکن پیشہ کرتی تھی۔"

"ٹھیک یاد آیا! آپ نے اس اطلاع سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ پرویز کی بیوی ہی ہو سکتی ہے۔ آخر آپ نے اس کا اندازہ کیسے لگا لیا تھا۔" حمید نے کہا۔

فریدی کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "صرف بیوی ہی کی بیوفائی کسی آدمی کو اتنا بھیانک بنا سکتی ہے۔"

"کیوں؟ کیا کسی محبوبہ کی بے وفائی آدمی کو انتقام پر نہیں اکسا سکتی۔" حمید نے کہا۔

"اکسا سکتی ہے لیکن ایسے معاملات میں یہ آگ دیر تک نہیں سلگتی.... محبوبہ کسی دوسرے کی ہو کر بچے جننے میں مشغول ہو جاتی ہے اور عاشق کچھ دنوں تک تو دردناک قسم کے فلمی گیت گاتا رہتا ہے پھر وہ بھی اپنی راہ لگ لیتا ہے یا زیادہ تاؤباز ہوا تو موقع ملنے پر انتقام لے لیتا ہے لیکن وہ بھی پہلی فرصت میں۔ زیادہ دنوں تک یہ روگ نہیں پالتا۔"

"لیکن میں نے تو ایسے بھی عاشق دیکھے ہیں جو محبوبہ کے بچوں سے خود کو ماموں جان کہلواتے ہیں۔" حمید بولا۔ "مگر پرویز۔"

"پرویز تین سال سے تنہا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "ممکن ہے اُسے علم ہی نہ رہا ہو کہ اس کی بیوی کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے جب کوئی عورت اپنے شوہر کو چھوڑ دیتی ہے تو خواہ شوہر کو اس سے محبت رہی ہو یا نہ رہی ہو اس کی مردانگی کو ضرور ٹھیس لگتی ہے۔ وہ اسے اپنی مردانگی کی توہین سمجھتا ہے اور ایک چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح انتقام کے لئے بیتاب رہتا ہے۔ پرویز نے وہ مجسمہ اسی لئے بنوایا تھا کہ اپنے اندر بھڑکتی ہوئی آگ پر چھینٹے دیتا رہے۔"

"کیا آپ اسے درست اور جائز سمجھتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"یہ کسی معلم اخلاق سے پوچھو۔"

"نہیں میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں۔ آپ کی ٹانگ تو دنیا کے ہر معاملے میں اڑی ہوئی ہے۔"

فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "میرے خیال میں شادی عورت اور مرد کے درمیان محض ایک سماجی معاہدہ ہے۔ اگر طرفین میں سے کوئی اس معاہدے کا احترام نہ کرے تو اس کی سزا موت تو نہ ہونی چاہئے کیونکہ دنیا کا کوئی قانون عہد شکنی پر اتنی سخت سزا نہیں دیتا۔"

"مگر سوال پھر اُسی جھنجھلائی مردانگی پر آپڑتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"جھنجھلائی ہوئی نہیں بلکہ مشتبہ مردانگی کہو۔"

"مشتبہ کیوں؟"

"ایسے معاملات میں بیوی کو قتل کر دینے والے معموماً اپنی مردانگی میں شبہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان کی غیر شعوری خواہش یہ ہوتی ہے کہ اپنی جنسی کمزوری کے اُس چلتے پھرتے اشتہار کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں اور یہ لاشعوری خواہش عموماً دیوانگی کی حد تک بڑھے ہوئے غصے کا لبادہ اوڑھ کر ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی یہ خواہش منطقی شعور کو احتساب کا موقع ہی نہیں دیتی اور عمل یعنی قتل سرزد ہو جاتا ہے۔"

"تو اسکا یہ مطلب ہوا کہ بیویوں کی بد چلنی کی وجہ عموماً شوہروں کی جنسی کمزوری ہوتی ہے۔"

"نہیں ایسا تو نہیں بہتیرے نامردوں کی بیویاں انتہائی پارسا ہوتی ہیں اور بہتیرے جوان مردوں کی طوائفوں سے بھی بدتر۔ مثلاً وہ عورت جو جنسی بوالہوسی کا شکار ہے۔ فولاد کے آدمی کی بھی پابند نہیں رہ سکتی۔ اُسے تو بس اپنی زندگی میں ہر آن اور ہر لحظہ نیا پن چاہئے۔"

"جنسی ابوالہوسی کی وجہ کیا ہوتی ہے؟"

"ہوتی ہو گی کچھ مجھے یا تمہیں اس موضوع پر کوئی مضمون نہیں لکھنا ہے۔" فریدی اکتا کر بولا۔

"لیکن راستہ تو کاٹنا ہے۔" حمید نے جھٹکے دار آواز میں کہا۔

"تو عورت ہی کا تذکرہ کیوں۔" فریدی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"محض اسلئے کہ مجھے ایک عورت نے جنم دیا ہے اور عورت ہی قبر تک پہنچائے گی شعر سنئے۔

حباب آسا میں دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا،
نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا سے جدائی کا"

"ابے سور یہ تصوف کا شعر ہے۔" فریدی ہنستا ہوا بولا۔

"یا شیخ! میں جانتا ہوں۔ ہمہ اوست کا دم بھرتا ہوں۔ جب عورت بھی وہی اور مرد بھی تو پھر یہ حجاب کہاں تک درست ہے۔ یہ سارے قطرے ایک دن مل کر دریا بن جائیں گے۔

"ظالم تو تو فرائڈ سے بھی دس ہاتھ آگے نکل گیا۔ اس نے پوری انسانی زندگی کو جن کے سانچے میں ڈھالا تھا اور تو نے جنسیت کے ڈانڈے ابدیت سے ملا دیئے۔"

"میں اس موضوع پر ایک کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"تو ہتھکڑیوں کا ایک جوڑا ابھی سے مخصوص کر لیا جائے۔"

"کیوں ہتھکڑیاں کیوں۔ واہ جناب Sun Bath اور Health جیسے رسالے تو کھلے عام فرو ہوں اور میری محققانہ تصنیف پر یہ عتاب.... کتاب کا نام "عشق مجازی سے عشق حقیقی تک ہو

"لکھو گے کیا؟" فریدی مسکرا کر بولا۔

"یہی لکھوں گا کہ عورت اور مرد کے تعلقات پر کسی طرح کی پابندی عائد نہ کرنا حسن سے کھلی ہوئی غداری ہے۔ غداروں کو کسی طرح معاف نہیں کیا جاسکتا۔ تصوف زندہ باد او سب کچھ مردہ باد۔ علماء کرام بائیکاٹ وغیرہ وغیرہ۔"

"تمہارے والد صاحب ابھی زندہ ہیں۔"

"اور میری کتاب پڑھ کر اُن کی زندگی اور بڑھ جائے گی۔" حمید ہنس کر بولا۔ "کیا سمجھ آپ میرے ابا میاں کو.... میں جو کچھ بھی ہوں انہیں کی بدولت ہوں۔ یہ تصوف مَیں انہیں سے سیکھا ہے۔ ایک بار کا لطیفہ سنئے۔"

حمید نے رک کر ایک زور دار قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔ "میں یہی کوئی بارہ تیرہ برس کا ر گا۔ ابا میاں کے شباب کا زمانہ تھا۔ ایک رات ایک صاحبہ مردانخانے میں تشریف لائیں۔ دوڑا ہوا والدہ صاحبہ کے پاس گیا اور انہیں گھبراہٹ میں یہ خبر دی کہ ابا میاں ابھی ا بوتلیں اپنے ساتھ لائے ہیں، اور انہوں نے مردانخانے کا دروازہ بند کر لیا ہے۔ والدہ صا کی رنگین مزاجی سے تو واقف تھیں لیکن یہ بوتلوں والی اطلاع اُن کے لئے بالکل نئی تھی میں وہ چھت پر چڑھیں اور ادھر ہی سے مردانخانے میں چلی گئیں۔ پھر میں جو بھاگا ہوں تو یہاں جاکر پناہ لی۔ مگر دوسرے دن اس بُری طرح ادھیڑا گیا ہوں کہ خدا کی پناہ۔"

"ابے سور۔" فریدی ہنسنے لگا۔

"دوسرا لطیفہ سنئے! اُس وقت میری عمر پانچ یا چھ سال رہی ہوگی۔ ابا نے ایک دن مجھ سے پوچھا کہ تم بڑے ہو کر کیا بنو گے۔ میں نے جواب دیا رنڈی۔ وہ منہ پھاڑ کر مجھے گھورنے لگے پھر بولے کیا بکتا ہے۔ میں نے کہا امی خالہ جان سے کہہ رہی تھیں کہ آپ رنڈیوں کو بہت چاہتے ہیں۔"

"کیوں غپ ہانک رہا ہے۔" فریدی بولا۔

"خدا قسم۔"

"خیر حمید صاحب! اگر تم مرد نہ ہوتے تو رنڈی ہی ہوتے۔"

"ہائے ہائے کیا زمانہ تھا۔" حمید سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "بارہ تیرہ برس کی عمر میں مجھے ایک صاحب کی بیوی سے عشق ہو گیا تھا.... ہائے.... خدا کی قسم میں اس کے مہندی لگے ہوئے نرم و نازک ہاتھ کبھی نہ بھلا سکوں گا اور وہ اُبھرے ہوئے ہونٹوں کے گرد لرزتی باریک سی نتھ۔"

"نتھ! لاحول ولا قوۃ۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنایا۔ "کیا وہ تمہاری کوئی رشتہ دار تھی۔"

"ہاں! میرے باپ کے چھوٹے سالے کی بیوی۔"

"یعنی تمہاری ممانی۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"اب تو ممانی ہی ہیں۔ مگر اُس زمانے میں میں نے سنجیدگی سے خواہش کی تھی کہ کاش وہ میری بیوی ہوتیں۔"

"تم سے بڑا سور آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔"

"آپ تو سور کہہ کر رہ گئے لیکن ابا میاں اور امی نے خاصی پٹائی کی۔"

"کیا انہیں معلوم ہو گیا تھا۔" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں نے کبھی چھپ کر عشق نہیں کیا۔" حمید بولا۔ "ایک دن میں نے ممانی کو ایک عدد خط لکھ دیا۔ لکھا کیا تھا ایک ناول سے نقل کر دیا تھا۔ اس پر ممانی نے میرے کان تھام کر دو تھپڑ اور ماموں نے ہزاروں قہقہے لگائے۔ والدین تک خبر پہنچی تو انہوں نے الگ ادھیڑا۔"

"اس کے بعد پھر کبھی سامنا کرنے کی ہمت پڑی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"خدا کی قسم! ماموں کے سامنے انہیں آنکھ مار کر مونچھوں پر تاؤ دیا کرتا تھا وہ دونوں میاں بیوی تو یہی سمجھتے تھے کہ میں نے ان کی چڑھ نکال رکھی ہے۔ مگر میں سنجیدگی سے عاشق ہوا تھا۔"

"اور اب۔"

"اب تو وہ سو فیصدی ممانی ہو گئی ہیں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "لیکن اب
اپنے ذہن کو کریدتا ہوں تو اُس نتھ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہاتھ آتا۔ مجھے دراصل اُن کی نتھ
عشق تھا۔ ہر وہ شخص جو مجھ سے قریب ہے اُسے میں تصور میں نتھ ضرور پہناتا ہوں۔ مثلاً
آپ سے محبت ہے آپ کی عدم موجودگی میں جب بھی آپ کی تصویر میرے ذہن پر ابھر
آپ کی ناک میں نتھ ضرور ہوتی ہے اور نتھ کے بیچ میں سگار۔"

"مارتے مارتے اُلو بنا دوں گا۔" فریدی جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"میں نے لمبی لمبی ڈاڑھیوں پر نتھیں لہراتی محسوس کی ہیں۔" حمید نے غمگین آواز میں

کیڈی لاک سنسان سڑک پر پھسلتی جا رہی تھی۔ دفعتاً مخالف سمت سے ایک کار برق ر
سے آئی اور گذر گئی۔

"کیوں....؟" فریدی بے ساختہ چونکا۔ "کیا یہ چیخ نہیں تھی۔"

اس نے اپنی کار کی رفتار کم کر دی اور پلٹ کر دیکھنے لگا۔ دوسری چیخ حمید نے بھی صاف
لیکن آواز دور کی تھی۔ فریدی نے تیزی سے کیڈی پیچھے کی طرف موڑ لی۔ سڑک کے د
طرف گھنی جھاڑیوں اور چھیول کے گنجان جنگلوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ دو تین فرلانگ
ایک کار کھڑی ہوئی دکھائی دی جس کا انجن بند نہیں کیا گیا تھا۔

کار کے قریب پہنچ کر انہوں نے عجیب منظر دیکھا۔ اگلی سیٹ کی بائیں جانب کا دروازہ ک
تھا۔ ایک آدمی جس کا سر پائیدان پر ٹکا ہوا تھا اور بقیہ حصہ کار کے اندر دکھائی دیا۔ فریدی ن
گاڑی کی روشنی نہیں گل کی تھی۔ لیکن یہ کار ہیڈ لائیٹس کی رینج میں نہ ہونے کی بناء پر کافی
میں نہیں تھی۔

"ٹارچ لاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید کیڈی کی طرف دوڑا۔ وہ ٹارچ تو نکال لایا، لیکن انجن بند کرنا وہ بھی بھول گیا تھا۔ ف
نے اوندھے پڑے ہوئے آدمی کو سیدھا کیا۔ چہرے پر ٹارچ کی روشنی پڑتے ہی وہ چونک اٹھا۔

"اوہ.... کہیں دیکھا ہے اسے...... مگر یہ مرچکا ہے۔"

نرخرے پر تیز قسم کے ناخنوں کے نشانات تھے۔ کسی نے نرخرا اس شدت سے دبایا
ناخن گوشت میں اُتر گئے تھے۔

"وہ اسی طرف ہوگا۔" فریدی تیزی سے بائیں سمت کی جھاڑیوں کی طرف مڑا۔ ٹارچ حمید کے ہاتھوں میں تھی۔ جب تک وہ اُسے روشنی دکھائے فریدی جھاڑیوں میں کود چکا تھا۔ حمید بھی جھپٹا پھر وہ دونوں دور تک چھیول کے جنگلوں میں گھستے چلے گئے۔ دفعتاً فریدی نے حمید سے کہا۔

"تمہیں وہیں ٹھہرنا چاہئے تھا۔ چلو.... واپس چلو۔" وہ پھر سڑک کی طرف دوڑا۔

فریدی نے جھاڑیوں میں گھسنے سے پہلے نہ تو اپنی گاڑی کا انجن ہی بند کیا تھا اور نہ روشنی ہی بجھائی تھی۔

"یا تو کیڈی گئی یا وہ کار۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ وہ دوڑ رہا تھا۔

"کیوں....؟" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"سڑک پر روشنی نہیں دکھائی دیتی۔"

وہ پوری قوت سے دوڑنے لگے تھے، فریدی کا اندازہ درست نکلا۔ لاش والی کار غائب تھی اور فریدی کی کیڈی کا انجن بند کر کے روشنی گل کر دی گئی تھی۔

"جلدی کرو۔" وہ جھپٹ کر کار میں بیٹھا لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ کسی زخمی بھیڑیے کی طرح غرا رہا تھا۔ کئی بار کی کوشش کے باوجود بھی انجن اسٹارٹ نہ ہوا۔

"کیا حماقت ہوئی ہے۔" وہ نیچے اُتر کر انجن کا ڈھکن اٹھاتا ہوا بولا۔ "ٹارچ ادھر لاؤ۔"

"چوٹ دے گیا۔" حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔

"جلد بازی ہمیشہ بُرے نتائج سے دوچار کرتی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مجھ سے غلطی ہوئی۔"

"کار موڑی نہیں گئی۔" فریدی نے ٹارچ کی روشنی زمین پر ڈالتے ہوئے کہا۔ پھر دفعتاً تیزی سے جھکا۔ دوسرے لمحے میں حمید نے اس کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی دیکھی جس پر ہیرے کے تین چھوٹے چھوٹے نگ جگمگا رہے تھے۔ فریدی اُسے جیب میں ڈال کر کیڈی کی طرف جھپٹا۔ وہ پھر سعید آباد کی طرف جا رہے تھے لیکن اس بار گاڑی کی رفتار بہت تیز تھی۔

"کیا آپ نے کسی کو دیکھا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"تو پھر اس بدحواسی کا کیا مطلب۔"

"اچھا تو تم یہ سمجھتے ہو کہ اس لاش نے یہ سب حرکتیں کی ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ واقعات کے اُس ڈرامائی انداز نے اُسے کچھ سمجھنے ہی نہیں دیا تھا۔ اگر مرنے والے کے نرخرے پر ناخنوں کے نشانات نہ دیکھتا تو مشکل ہی سے یقین آتا کہ وہ قد موت نہیں مرا۔ کار ڈرائیور کرتے کرتے ہارٹ فیل بھی تو ہو سکتا ہے؟

فریدی خاموشی سے اسٹرنگ پر جھکا ہوا تھا۔ کیڈی ساٹھ میل کی رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ تقریباً تیس میل نکل آئے تھے اور سعید آباد بہت زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا۔ دفعتاً انہیں تیز روشنی دکھائی دی اور پھر جلد ہی اُس روشنی کا معمہ بھی حل ہوگیا۔ سامنے بیچ سڑک پر ایک کار شعلوں میں گھری کھڑی تھی۔ فریدی نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا اور کیڈی روک دی۔

"جانتے ہو! وہ کس کی لاش تھی۔" اس نے بے چینی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔"

"یہ جاپانیز مرچنٹس کارپوریشن کا وہی ایجنٹ تھا جس نے وہ مجسمہ پرویز کے یہاں پہنچایا تھا۔ اب قاتل نے اس کی لاش بھی جلادی۔"

دیوار پھٹتی ہے

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اُس نے کیڈی اسٹارٹ کردی۔ بمشکل تمام اُس نے گاڑی آگے بڑھایا۔ یہ بھی بڑا خطرناک کام تھا کیونکہ جلتی ہوئی کار کے شعلوں نے سڑک کی پور چوڑائی کو گھیر رکھا تھا بس مقدر ہی تھا کہ کیڈی آگے نکل گئی۔

"اب کہاں۔" حمید نے کہا۔

"سعید آباد.... سرور لاج۔"

"اوہ تو کیا....؟"

"میں تنویر کو چیک کروں گا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "آخر اس نے بھنویں کیوں صا کر رکھی ہیں۔ سر کا درمیانی حصہ کیوں منڈوادیا ہے۔"

"تو کھوپڑی چیک کریں گے آپ اس کی۔" حمید مضحکانہ انداز میں بولا۔

کیڈی کی رفتار اور تیز ہوگئی۔ حمید نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کیطرف دیکھا۔ دو بج رہے تھ

"کیا آپ تنویر پر شبہ کر رہے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی۔"

"وجہ۔"

"میں اس وقت کسی بحث میں پڑنے کے لئے تیار نہیں۔ میں نے اس کے متعلق ایک بہت ہی اہم بات نہیں معلوم کی۔"

"کیا....؟"

"یہی کہ وہ عموماً گرمیوں میں ہمیشہ اپنی بھنوؤں وغیرہ کی صفائی کرادیتا ہے۔"

"بھئی میرا خیال ہے کہ اگر اس کا اس معاملے سے کوئی تعلق ہوتا تو وہ پرویز کے بینک بیلنس وغیرہ کے متعلق کچھ نہ پوچھتا۔"

"ظاہر ہے کہ وہ خود کو پاگل بنا کر پیش کر رہا ہے۔" فریدی بولا۔

"تو کیا وہ ہر سال گرمیوں میں پاگل بننے کی مشق کرتا ہے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن مجھے اس پر یقین ہے کہ وہ پاگل نہیں ہے۔"

"آخر اس یقین کی کوئی وجہ بھی ہوگی۔" حمید نے کہا۔

"اس کی آنکھیں.... پاگلوں اور ہوش مندوں کی آنکھوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔"

"چلئے صاحب۔" حمید اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

تھوڑی دیر بعد کیڈی سرور لاج کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ پھاٹک بند تھا۔ تقریباً آٹھ یا دس منٹ تک انہیں پھاٹک ہلانا پڑا۔ شاید چوکیدار سو رہا تھا۔

"کون ہے؟" اندر سے بھرائی ہوئی آواز آئی۔

"پولیس....!"

"پپ.... پپ.... پولیس.... کیوں؟"

"دروازہ کھولو۔" حمید نے پھاٹک پر لات ماری۔

"شش یہ نہیں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"بیگم صاحب کے حکم کے بغیر.... نہیں کھل سکتا۔" اندر سے آواز آئی۔

"اُن سے کہو انسپکٹر فریدی ہے۔"

اندر قدموں کی چاپ سنائی دی جو بتدریج دور ہوتی گئی۔

"آخر آپ کس طرح چیک کریں گے۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"بس دیکھتے رہو۔"

"اگر وہ تنویر ہی رہا ہوگا تو محتاط ہو گیا ہوگا اور پھر میرا خیال ہے کہ اس کی بیوی بھی اُر حرکتوں سے لاعلم نہ ہوگی۔"

"خدا جانے۔"

"اگر وہ تنویر ہی تھا۔" حمید بولا۔ "تو یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ واپس ہی آگیا ہو۔ کیونکہ کار تو اس نے جلادی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن یہ تو سوچو کہ اُس نے وہ کار وہیں کیوں نہ جلادی جہ اُس نے اُسے پہلے چھوڑا تھا۔ اتنی دور جانے کے بعد جلانے کی وجہ کے متعلق بھی تو غور کرو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی ہی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"اُس نے یہ سارے انتظامات پہلے ہی سے کر رکھے ہوں گے۔ ہم یہاں سے سات بجے گئے تھے۔ ساڑھے آٹھ بجے یہاں سے ایک میل ٹرین جاتی ہے جو تقریباً دو گھنٹے میں ہمارے تک پہنچ جاتی ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ جانے سے پہلے اس نے اُسی مقام پر جہاں وہ کار جل تھی ایک موٹر سائیکل چھپادی ہو۔"

"تو اُسے یہاں لاکر مارنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔"

"شہر میں اُسے لاش جلانے کا موقع نہ ملتا۔"

"پھر بھی اسی وقت یہاں آنے کی منطق میری سمجھ سے باہر ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیوں؟"

"ظاہر ہے کہ وہ اپنی کار بھی دیکھ چکا ہے۔ اُس نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ یہ ہم ہی ہیں۔ اس وہ کافی محتاط ہوگیا ہوگا۔"

"میں کہتا ہوں تم بس دیکھتے جاؤ۔"

"اندھیرے میں دکھائی بھی تو نہیں دیتا۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

اندر پھر قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔

"کیا بات ہے.... کون صاحب ہیں۔" بیگم تنویر کی کپکپاتی ہوئی مترنم آواز آئی اور حمید کی ندا سی آنکھیں یک بیک جاگ اٹھیں۔

"میں ہوں انسپکٹر فریدی۔" فریدی نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

"کیا بات ہے۔" اندر سے آواز آئی پھر بیگم تنویر نے شاید چوکیدار کو مخاطب کیا۔ "پھاٹک کھول دو۔"

کڑکڑاہٹ کے ساتھ پھاٹک کھلا اور فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"مسز تنویر مجھے افسوس ہے لیکن اس وقت یہاں میرا آنا بہت ضروری تھا۔"

"فرمائیے! اگر دیر تک ٹھہرنا ہو تو اندر چلئے۔" اس کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

وہ سب ایک بڑے کمرے میں آئے۔ مسز تنویر نے گہرے نیلے رنگ کی سلک کا سلیپنگ گاؤن پہن رکھا تھا.... اور پیروں میں سیاہ مخملی چپلیں تھیں۔ چہرہ اس وقت پہلے سے زیادہ حسین معلوم ہو رہا تھا۔

وہ فریدی اور حمید کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگی۔

"آپ کا خاندان خطرے میں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"جی؟" وہ بے ساختہ چونک پڑی۔

"تنویر صاحب کہاں ہیں۔"

"اپنے کمرے میں سو رہے ہیں.... بات کیا ہے؟" اُس کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"ذرا انہیں جگادیجئے۔"

"جگادوں.... لیکن...." لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔ "آخر آپ بتاتے کیوں نہیں۔"

"محترمہ میں آپ کو ان الجھنوں میں نہیں ڈالنا چاہتا۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"اور میں آپ کو یقین دلانا چاہتی ہوں کہ اُن سے کسی معاملے پر گفتگو کرنا فضول ہے۔"

"کیا ان کا ذہنی توازن اتنا ہی بگڑا ہوا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"ایک بات اور.... کیا وہ ہمیشہ ایسی حالت میں اپنی یہی وضع قطع بنائے رہتے ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"بھنویں وغیرہ صاف کرادیتے ہیں۔"

"جی ہاں! لیکن آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"بہتر یہی ہوگا آپ انہیں جگادیں۔"

"اور اگر فرض کیجئے وہ نہ جاگے تو۔"

"جاگیں گے کیوں نہیں۔" فریدی نے اتنے بھولے پن سے پوچھا کہ حمید اس پر قر ہوتے ہوتے رہ گیا۔

"وہ اکثر تین تین دن تک نہیں جاگتے۔" مسز تنویر بولی۔

حمید چونک کر اُسے گھورنے لگا لیکن فریدی کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس نے کوئی غیر متوقع بات نہ سنی ہو۔

"اوہو....!" فریدی بولا۔ "تو انکے اور پرویز صاحب کے مرض کی نوعیت ایک ہی ہے۔"

"کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر کے، جو سونا شروع کرتے ہیں تو اکثر تیسرے ہی دروازہ کھلتا ہے۔ اس دوران میں کتنا ہی شور مچایئے! دروازہ پیٹئے لیکن شاید وہ کروٹ تک نہ لیتے۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ جب یہ کیفیت ہو تو انہیں اٹھایا ہی نہ جائے۔ اگر وہ زبردستی جگائے گئے تو اُن کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔"

"بالکل یکساں حالات ہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ پھر چونک کر کہنے لگا۔ "محترمہ ذ زور دیجئے۔ کیا آپ کا کوئی ایسا عزیز بھی ہے جسے پرویز اور تنویر صاحبان کا ترکہ پہنچ سکے۔"

"کوئی نہیں.... کوئی بھی نہیں۔ خدارا مجھے الجھن میں نہ ڈالئے۔"

"تنویر صاحب کس وقت سونے کے لئے گئے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"آپ لوگوں کے جانے کے بعد ہی انہوں نے کھانا کھایا اور اس کے بعد سونے چلے گئے۔"

"اندازاً کیا وقت رہا ہوگا۔"

"غالباً ساڑھے سات۔"

"کیا آپ مجھے اُن کے کمرے تک لے چلیں گے۔"

"کچھ بتایئے بھی۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔ "اس طرح خواہ مخواہ تنگ کرنے سے کیا فائدہ۔"

"محترمہ میں ایک بار پھر تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔" فریدی نے معذرت کی۔

نہیں چاہتا تھا کہ آپ کو کسی الجھن میں ڈالوں۔ لیکن اب بتانا ہی پڑے گا۔"

فریدی نے مختصراً پرویز کی روداد دہرادی۔ لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ پرویز کی بیوی اُسے چھوڑ کر طوائفوں کی سی زندگی بسر کرنے لگی تھی۔ اُس کے متعلق اُس نے یہ بتایا کہ دونوں کسی رنجش کی بناء پر علیحدہ ہوگئے تھے۔ پرویز کو اس قدر غصہ تھا کہ اُس نے اپنی بیوی کا ایک مجسمہ بنوا کر اپنے انتقامی جذبے کی تسکین کا درجہ پیدا کرلیا تھا۔ پھر اُس نے یہ بتایا کہ کسی نے اس کی بیوی کو دھوکہ دے کر اُس کمرے میں پہنچادیا جہاں وہ مجسمہ رکھا ہوا تھا اور پرویز نے مجسمے ہی کے دھوکے میں اُس کا گلا دبادیا۔"

تنویر کی بیوی بہت زیادہ خوفزدہ نظر آرہی تھی۔

"آپ ڈر رہی ہیں نا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں اسی لئے آپ کو کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا۔"

"نہیں میں ڈر نہیں رہی ہوں۔ آخر وہ کون ہو سکتا ہے۔"

"وہ ایسا ہی آدمی ہو سکتا ہے جسے پرویز کی موت کے بعد کوئی فائدہ پہنچ سکے۔ ظاہر ہے کہ وہ پھانسی سے نہ بچ سکے گا۔ میں تنویر صاحب کے لئے بہت فکرمند ہوں۔"

مسز تنویر بہت زیادہ بے چین ہوگئی۔

"اور سنئے! میں نے ابھی راستے میں اُس ایجنٹ کی لاش دیکھی ہے جس کی معرفت پرویز نے وہ مجسمہ بنوایا تھا۔ لہٰذا مجھے واپس آنا پڑا۔ اس لئے کہ جلد یا بدیر آپ لوگوں پر بھی حملہ ہو سکتا ہے کہ قاتل کو پرویز صاحب اور اس مجسمے کے متعلق ایجنٹ ہی سے معلوم ہوا ہوگا۔"

"اور اس نے اس ایجنٹ کو بھی مار ڈالا۔"

"جی ہاں۔" فریدی جلدی سے بولا۔ "میں پرویز صاحب کا کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میں عرض کر چکی ہوں نا کہ وہ اندر سے دروازہ بند کر کے سوتے ہیں۔"

"آپ کی مرضی۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "میں نے آپ کو خطرات سے آگاہ کر دیا۔ اب آپ جانیں۔"

"ٹھہریئے! میں بھلا کیا کر سکتی ہوں۔ آپ خود چل کر دیکھ لیجئے کہ کمرہ اندر سے مقفل ہے۔"

"چلئے!" فریدی بولا۔

مسز تنویر ایک کمرے کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ فریدی نے دروازے کو دھکا دیا۔ لیکن وہ

اندر سے بند تھا۔ اس نے کوئی ایسا سوراخ یا جھری تلاش کرنے کی کوشش کی جس سے اندر جھ
جا سکے۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ دروازے کے دونوں طرف کھڑکیاں تھیں لیکن وہ بھی بند تھ
اور اُن میں بھی شیشے نہیں تھے۔"

کمرے کے اندر سے بجلی کا پنکھا چلنے کی آواز آ رہی تھی۔

کافی اونچائی پر ایک روشندان نظر آیا جو کھلا ہوا تھا اور اس کے اندر گہرے نیلے رنگ کی ہ
روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

"دوسری طرف بھی دروازہ ہوگا۔" فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں۔"

"کوئی کھڑکی۔"

"کھڑکی بھی نہیں ہے۔"

"یعنی اگلی دیوار کے بعد کوئی دیوار نہیں ہے۔ اگر دروازہ ہوتا تو مکان کی پشت پر کھلتا۔"

"جی ہاں۔"

"عجیب بات ہے۔" فریدی بولا۔ "وہ کمرہ بھی ایسا ہی تھا جس میں پرویز کی بیوی کی لاش
گئی تھی۔ عجیب معاملہ ہے مگر ہاں! اس میں تو نقب لگائی گئی تھی۔"

"خدا کے لئے کچھ کیجئے۔" مسز تنویر مضطربانہ انداز میں بولی۔

"بانس کی سیڑھی ہوگی۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"ذرا جلدی سے منگوائیے۔" فریدی نے کہا۔

نوکر بھی بیدار ہوگئے تھے اور وہ کچھ دور پر کھڑے ان لوگوں کو عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھ
تھوڑی دیر بعد سیڑھی آگئی۔ فریدی نے اُسے روشندان سے لگا دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے
چڑھ گیا۔ کمرے کے اندر نیلے رنگ کی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ مسہ
پر تکلف بستر ضرور لگا ہوا تھا۔ لیکن وہ بالکل خالی تھی۔ تنویر کا پیلے رنگ کا لبادہ جو اس نے ش
پہن رکھا تھا، ہینگر پر لٹکا ہوا نظر آیا۔ دوسری طرف یا اِدھر اُدھر کی دیواروں میں نہ کوئی
دکھائی دی اور نہ دروازہ۔

فریدی چپ چاپ نیچے اتر آیا۔ پھر نوکروں کو مخاطب کر کے بولا۔

"تم لوگ جا کر آرام کرو۔"

"کیا بات ہے۔" مسز تنویر اُسے جھنجھوڑ کر بولی۔ فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل رہی
تھی۔ وہ نوکروں کے چلے جانے کا منتظر رہا۔

"محترمہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ مجھے اس طرح اُلو بنائیں گے۔" اس نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔" مسز تنویر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کمرہ بالکل خالی ہے۔"

"جی۔" اُس نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ "ناممکن.... قطعی ناممکن۔"

"آپ خود دیکھ لیجئے۔" فریدی نے روشندان کی طرف اشارہ کیا۔

مسز تنویر چند لمحے فریدی کے چہرے پر نظر جمائے رہی پھر سیڑھی کی طرف بڑھی۔

فریدی اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

روشندان میں جھانکتے ہی وہ بے اختیار چیخ پڑی۔ سیڑھی کے ڈنڈے اس کی گرفت سے نکل
گئے اگر فریدی نے جھپٹ کر اُسے ہاتھوں پر نہ روک لیا ہوتا تو وہ بھی اپنی چچا زاد بہن ثمینہ کے
پاس پہنچ گئی ہوتی۔ وہ بیہوش تو نہیں ہوئی تھی لیکن حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ اپنے پیروں پر
کھڑی ہو سکتی۔ فریدی نے اُسے برآمدے میں پڑی ہوئی کرسی پر ڈال دیا۔

اب حمید سیڑھی پر چڑھ رہا تھا۔ روشندان میں جھانکنے پر اُسے یہ سمجھنے پر مجبور ہو جانا پڑا کہ
تنویر کی بیوی نے انہیں دھوکے میں رکھا تھا۔ وہ نیچے واپس آنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ سامنے کی
دیوار میں نیچے سے اوپر تک ایک دراڑ سی پڑ گئی جو دیکھتے ہی دیکھتے کافی کشادہ ہوتی جا رہی تھی۔ حمید
نے پیچھے پلٹ کر..... فریدی وغیرہ کو چپ رہنے کا اشارہ کیا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اُس نے
جیب سے ریوالور نکال لیا۔ فریدی مسز تنویر کیطرف سے بے خبر نہیں تھا۔ حمید کو ریوالور نکالتے دیکھ
کر اُس نے مسز تنویر کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کی چیخ کسی طرح نہ رک سکتی۔

ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا اور دیوار پھر برابر ہوگئی۔ لیکن یہ تنویر نہیں تھا۔ اس کے
بال گھنے، گھونگھریالے اور پیچھے کی طرف مڑے ہوئے تھے، خدوخال جاذب توجہ اور دلکش تھی،
جوان اور صحت مند تھا۔

"خبر دار....!" حمید نے روشندان سے للکارا۔ "اگر بھاگنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔"
اس نے نے گھبرا کر اوپر دیکھا اور روشندان میں ریوالور دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لئے۔

"کیا بات ہے؟" فریدی نے نیچے سے پوچھا۔

"دروازہ توڑ دیجئے۔"

حمید نے محسوس کیا کہ وہ آدمی آہستہ آہستہ دیوار کی طرف کھسک رہا ہے۔

"اپنی جگہ کھڑے رہو۔" حمید نے للکارا۔ فریدی دروازے سے شانہ لگائے زور کر رہا تھا۔ دروازہ کچھ زیادہ مضبوط نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ادھر دروازے میں چرچراہٹ ہوئی اور اُدھر نہ جانے کیا ہوا کہ حمید سیڑھی سمیت دیوار پر پھسلتا ہوا نیچے چلا آیا۔ خیریت یہ ہوئی کہ ریوالور نہیں [illegible] دروازہ ٹوٹ چکا تھا۔ فریدی حمید کی پرواہ کئے بغیر اندر گھس پڑا۔ کمرہ خالی تھا اور سامنے والی دیو[illegible] درمیانی خلا بدستور قائم تھی۔ فریدی دیوانہ وار اُس سے گذر کر مکان کی پشت پر آ گیا۔ کافی دُ[illegible] پر سامنے ایک تاریک سایہ دوڑ رہا تھا۔ فریدی نے بے تحاشہ اس کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا۔

فریدی نے اُسے جلد ہی جا لیا۔ بہر حال وہ بہت زیادہ طاقتور ثابت نہیں ہوا۔ شاید وہ گھبرایا ہوا بھی تھا۔ اس لئے اس نے جلد ہی ہاتھ پیر ڈال دیئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ تنویر کے ڈرائنگ روم میں اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ اُس کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر بندھے ہوئے تھے اور پیر بھی آزاد نہ تھے۔

تنویر کی بیوی برابر چیخے جا رہی تھی۔ "ہائے تنویر کہاں ہیں۔ تنویر کیا ہوئے۔"

"تم اپنی انگوٹھی وہیں چھوڑ آئے تھے۔" فریدی نے اس آدمی سے مسکرا کر کہا۔

وہ کچھ نہیں بولا۔ بدستور سر جھکائے بیٹھا رہا۔

"آخر اتنی جلدی کیا تھی۔" فریدی اپنی جیب سے انگوٹھی نکالتا ہوا بولا۔ "کل اس کا خاتمہ کر دیتے۔"

"انگوٹھی۔" مسز تنویر انگوٹھی کی طرف دیکھ کر چیخی۔ "یہ انگوٹھی کس کی ہے۔"

"اس کی؟" فریدی نے بندھے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

"غلط.... بکواس! یہ تنویر کی ہے۔"

"اور یہ کون ہے؟" فریدی نے اس آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

"میں نہیں جانتی۔"

"آپ اپنے شوہر کو نہیں جانتیں! حیرت ہے۔" فریدی نے کہا اور بڑھ کر اس آدمی کے سر کے بال نوچ لئے۔ پھر بھنویں بھی نوچ ڈالیں۔ ہونٹوں پر سے پلاسٹک کے ٹکڑے نوچے۔

تنویر اپنی مصنوعی وحشت سمیت اُن کے سامنے تھا۔ اس کی بیوی نے چیخ ماری اور گر کر بیہوش ہو گئی۔

پاگلوں کی کہانی

اس کیس نے شہر میں سنسنی پھیلا دی تھی۔ اخباروں کے کرائم رپورٹر کوتوالی اور محکمہ سراغ رسانی کی عمارتوں کے گرد چکر لگا رہے تھے۔ تنویر حوالات میں تھا اور پرویز کو بھی پچھلی رات کو ہوش آ چکا تھا لیکن ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق کسی نے بارہ گھنٹے تک اس سے کوئی گفتگو نہ کی۔

مقتول ایجنٹ کے متعلق چھان بین کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ تنویر کے گہرے دوستوں میں سے تھا۔ جس کار میں ان دونوں نے سفر کیا تھا وہ کارپوریشن کی ملکیت تھی۔ تنویر کی بیوی بھی اس ایجنٹ کو جانتی تھی لیکن بقیہ معاملات سے اُسے کوئی سروکار نہ تھا۔

تنویر نے بڑی مشکلوں سے اعتراف جرم کیا تھا۔ سول پولیس تو اپنے سارے حربے استعمال کر کے ہار گئی تھی۔ آخر فریدی نے وہ طریقہ استعمال کیا، جو دوسروں کی نظروں میں انتہائی احمقانہ تھا۔ حمید تو سمجھا کہ شاید فریدی کے دماغ میں بھی فتور واقع ہو گیا ہے لیکن تنویر کا بیان ہے کہ اگر وہ سلسلہ کچھ دیر اور جاری رہتا تو وہ سچ مچ پاگل ہو جاتا۔

فریدی نے اُسے ایک بڑی سی میز پر چت لٹا کر اس کے ہاتھ پیر اس طرح کس دیئے تھے کہ وہ جنبش نہ کر سکے۔ پھر اس نے اس کے سر کے دونوں طرف دو تختیاں کھڑی کر کے ان میں کیلیں ٹھکوا دیں۔ اب اس کا سر بھی جنبش نہیں کر سکتا تھا۔ آنکھیں چھت کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

پھر اُس نے ایک ہانڈی منگوائی اور اس کی پیندی میں چھوٹا سا سوراخ کر کے اس میں ذرا سا کپڑا ٹھونس دیا۔ ہانڈی میں پانی بھرا گیا اور وہ عین تنویر کے سر پر چھت سے لٹکا دی گئی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ایک ایک بوند تنویر کی پیشانی پر ٹپکتی رہی۔ تقریباً آدھ گھنٹے تک وہ خاموش رہا پھر اس نے بڑبڑانا شروع کر دیا۔ "وہ آئی.... وہ گری.... آ.... آ.... آئی.... گری...."

گگ.... گگ.... گگ.... گری۔"

پھر وہ چیخنے لگا۔"میں پاگل ہو جاؤں گا.... ہٹاؤ.... اس ہانڈی کو.... فریدی کمینے سور ہٹاؤ.... وہ گری.... ارے میری پیشانی پھٹی۔ چھوڑ دو مجھے.... بتاتا ہوں.... بتاتا ہوں میں نے ہی ثمینہ کو اس کمرے میں پہنچایا تھا۔ میں نے ہی ایجنٹ کو مارا تھا۔ وہ گری.... ارے مرا.... میں پاگل....!"

پھر اس نے سب کچھ اگل دیا۔ وہ ثمینہ سے پرویز کے ایک دوست کی حیثیت سے ملا تھا چو اس نے بھیس بدل رکھا تھا اس لئے وہ اُسے پہچان نہ سکی۔ تنویر کو اس کے مجسمے کے متعلق ا ایجنٹ ہی سے معلوم ہوا تھا۔ وہ ایجنٹ تنویر کو دونوں حیثیتوں سے جانتا تھا۔ تنویر کی حیثیت سے بھی اور اُس بدلے ہوئے بھیس میں مسٹر شمشاد کی حیثیت سے بھی۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا دونوں ایک ہی ہیں۔ اس قسم کے مجسمے اور ریکارڈ کا آرڈر چونکہ ایک نئی اور حیرت انگیز بات تھ اس لئے اس نے اس کا تذکرہ تنویر سے بھی کیا۔ وہ تصویر بھی دکھائی جس کے مطابق مجسمے کی تیار ہوئی تھی۔ اس سے پہلے حقیقتاً تنویر کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ پرویز بھی اسی شہر میں موجود ہے۔ اس اطلاع پر اس نے خفیہ طور پر چھان بین کی تو اُسے معلوم ہوا کہ پرویز تقریباً تین سال سے رہ رہا ہے۔ ثمینہ اس کے ساتھ نہیں ہے۔

ثمینہ سے جس طرح اس کی ملاقات ہوئی اس کی تفصیل بھی بڑی دلچسپ تھی۔ تنویر شروع ہی سے گرمیوں کے زمانے میں جنسی دیوانگی کے دورے پڑا کرتے تھے لیکن وہ اپ خواہشات کی تکمیل کھلم کھلا نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اسے اپنی بیوی سے بڑی محبت تھی اور وہ خاص قسم کی جنسی دیوانگی جس کا وہ شکار تھا اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایسی نہیں تھی کہ کسی ایک پر قناعت کرتی۔ تنویر نیک نام بھی رہنا چاہتا تھا اور اپنی ضرورت بھی اس کے پیش نظر تھی لہٰذا اس نے گرمیوں کے زمانے میں خود کو سچ مچ کا پاگل بنا کر پیش کرنا شروع کر دیا۔ بھیس بدلنے کی غرض سے وہ ہمیشہ اپنے سر کے بال اور بھنویں منڈوا دیا کرتا تھا اور اپنی عجیب و غریب نیند کے بہانے تی تین دن تک گھر سے غائب رہتا۔ یہ ایام قرب و جوار کے شہروں یا سعید آباد ہی کی طوائفوں میں گذرا کرتے تھے یہاں آتا تو اسی ایجنٹ کے یہاں ٹھہرتا اور دونوں مل کر عیاشی کرتے۔ ایجنٹ جا تھا کہ وہ کس مجبوری کی بناء پر بھیس بدلا کرتا ہے۔ لیکن اسے یہ قطعی نہیں معلوم تھا کہ وہ پرویز

بھائی ہے۔

ایک رات شہر کے ایک حصے میں تنویر کو ثمینہ مل گئی۔ اس رات وہ ایجنٹ اس کے ساتھ نہیں تھا۔ تنویر نے ثمینہ کا تعاقب کر کے اس کی جائے رہائش کا پتہ لگالیا اور ایک دن اُسے راہ میں روک کر اس سے پوچھا کہ وہ ثمینہ تو نہیں ہے۔ اس نے ثمینہ کو بتایا کہ وہ پرویز کا ایک دوست ہے اور اس کے یہاں اس کی تصویر دیکھ چکا ہے۔ ثمینہ نے اُسے بتایا کہ ان دونوں میں ناچاقی ہو چکی ہے اور پرویز اُس سے ناراض ہے۔ اس پر تنویر نے اُسے یہ اطلاع دی کہ وہ تو اُسے پوجتا ہے۔ محاورۃً نہیں بلکہ حقیقتاً اس نے اس کا ایک مجسمہ بنوایا ہے اور وہ سچ مچ اس کی پرستش کرتا ہے۔ ثمینہ بے قرار ہو گئی۔ کئی سال طوائفانہ زندگی بسر کرنے کے بعد وہ پھر سے گھر بسانے کے خواب دیکھنے لگی۔ اس اطلاع نے اس کا مستقبل روشن کر دیا تنویر نے اس کا اندازہ پہلے ہی لگالیا تھا کہ پرویز نے وہ مجسمہ کس لئے بنوایا ہے۔ اگر چیخوں والا ریکارڈ بھی ساتھ ہی نہ بنواتا تو شاید وہ بھی یہی سمجھتا کہ اس نے وہ مجسمہ اپنی محبت کی تسکین ہی کے لئے بنوایا ہے۔

اس کمرے کے متعلق جس میں وہ مجسمہ رکھا گیا تھا ایجنٹ سے پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا۔ کمرے کی ساخت کے بارے میں معلوم کرنے کے بعد اس نے اندازہ لگایا کہ وہ کسی کونے ہی پر ہوگا۔ ایک رات وہ پرویز کی کوٹھی کی پشت پر پہنچا۔ ایک روشندان سے چیخوں کی ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں اور پھر اس نے اچھی طرح اطمینان کر لیا کہ مجسمہ اسی کمرے میں ہے۔

اس دوران میں وہ ثمینہ سے برابر ملتا رہا۔ وہ اس بات کو اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر کبھی وہ پرویز کے سامنے چلی گئی تو وہ اُسے زندہ نہ چھوڑے گا۔ لہٰذا اس نے پروگرام بنانا شروع کیا کہ اسے کسی طرح اُس مجسمے والے کمرے میں پہنچا کر مجسمہ غائب کر دیا جائے۔ اس طرح سانپ بھی مرے گا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی۔ پرویز کی پھانسی کے بعد اس کی دولت بھی ہتھے چڑھے گی۔

ثمینہ نے پرویز کا پتہ بہت پوچھا۔ مگر تنویر نے نہ بتایا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ روزِ روشن میں بھی وہ اس سے ملی کہ وہ اس پر حملہ ضرور کرے گا مگر یہ حملہ کسی کے بیچ بچاؤ کرا دینے پر ناکام بھی ہو سکتا ہے۔

تنویر نے اس سے کہا کہ وہ پرویز کو متحیر کرنا چاہتا ہے کیوں نہ وہ اُسے اس کمرے میں پہنچا کر اس کا مجسمہ غائب کر دے۔ ثمینہ نے اس تجویز کو پسند کیا پھر وہ دونوں ایک رات وہاں جا پہنچے۔

تنویر کو اندر پہنچایا اور وہاں سے وہ مجسمہ اور ریکارڈ لے کر رفو چکر ہو گیا۔ یہ بات تو اُسے ایجنٹ معلوم ہو گئی تھی کہ پرویز نے اُس مجسمے کے معاملے میں بڑی راز داری سے کام لیا تھا حتیٰ کہ نے نوکروں کو بھی اس کی ہوا تک نہیں لگنے دی تھی۔

سرجنٹ حمید ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر کہتا پھر رہا تھا کہ فریدی اس صدی کا عظیم ترین پا ہے کہ اس نے ایک پاگل پن کی حرکت کر کے اس پاگل سے سب کچھ اگلوا لیا.... اب وہ تیسرے پاگل کی روداد سننے کے لئے بے چین تھا جس نے سونے کا ریکارڈ توڑ دیا تھا۔ حالات مضحکہ خیز پہلو اس کے ذہن میں ہلچل مچائے ہوئے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایک شوہر بیوی محروم ہو گیا اور ایک بیوی شوہر سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ بات صرف اتنی تھی کہ دونوں نے تصوف راہ پر زور سے دوڑ لگا دی تھی۔

شام کو فریدی اور حمید ہسپتال پہنچے۔ پرویز تکئے سے ٹیک لگائے بستر پر نیم دراز تھا۔ وہ دونو اس کے قریب جا کر بیٹھ گئے۔

"میرا خیال ہے کہ میں پہلے بھی آپ حضرات کو دیکھ چکا ہوں۔" اس نے نقیہہ آواز میں کہا۔

"حادثے والی رات کو۔" فریدی بولا۔

دفعتاً پرویز کے چہرے پر مردنی چھا گئی اور تھوک نگل کر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"میری دانست میں آپ قطعی بے قصور ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن اب میں زندہ نہیں رہنا چاہتا۔" پرویز مضمحل آواز میں بولا۔

"کیا آپ کو معلوم ہو گیا؟"

"جی ہاں اخبار.... ایک مریض کی عنایت سے اخبار مجھے مل گیا تھا۔"

"بہرحال تنویر حراست میں ہے۔"

"اس نے جو کچھ بھی کیا اچھا ہی کیا۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے کوئی گزند پہنچے۔ ثمینہ جب میرے سامنے آتی میں اس کے ساتھ یہی برتاؤ کرتا۔"

"شروع میں تو آپ دونوں کے بہت اچھے تعلقات تھے۔" فریدی نے کہا۔

"تعلقات.... میں اُسے سچ مچ پوجتا تھا۔ لیکن میں اس کے متعلق ہمیشہ دھوکے ہی میں میں اُسے پاک باز سمجھتا رہا۔ لیکن یہ حقیقت بعد کو واضح ہوئی کہ شادی سے پہلے ہی اس کے

تعلقات بہتیروں سے رہ چکے تھے۔ وہ حقیقتاً ایسی نہیں تھی کہ کسی ایک ہی کی ہو رہتی۔ اسی کی بدولت میرے اور تنویر کے درمیان بٹوارہ ہوا تھا۔ وہ ایسی جگہ رہنا ہی نہیں چاہتی تھی جہاں کوئی نہ کوئی ہر وقت اس کے سر پر مسلط رہے۔ رقیہ بڑی نیک عورت ہے اسی لئے ثمینہ نے اس کے ساتھ رہنا گوارا نہ کیا؟"

"رقیہ کون؟" فریدی نے پوچھا۔

"تنویر کی بیوی۔ ابھی ابھی یہاں سے اٹھ کر گئی ہے۔ کسی طرح تنویر کو بچائیے ورنہ وہ بے موت مر جائے گا۔"

"محال ہے۔" فریدی بولا۔ "اس کی گردن پر دو دو خون ہیں۔"

پرویز خاموش رہا لیکن اُس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ شدید ترین قلبی اذیت میں مبتلا ہے۔

"کیا آپ کو معلوم تھا کہ ثمینہ بھی اسی شہر میں موجود ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں! وہ اب سے چار سال پہلے میرے ایک دوست کے ساتھ فرار ہو گئی تھی اور اس کے بعد سے پھر مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہوا۔ بہرحال انتقام کی آگ نے مجھے قریب قریب پاگل کر دیا تھا۔"

"لیکن آپ نے اسے مار کس طرح ڈالا۔" فریدی نے پوچھا۔ "کیا آپ کو اس کا احساس نہیں ہوا تھا کہ آپ ایک ذی روح کا گلا گھونٹ رہے ہیں۔"

"اسے سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ جیسے ہی میں اندر داخل ہوا وہ کچھ کہے سنے بغیر مجھ سے لپٹ گئی۔ اس وقت میں نے نقب کی طرف خیال نہیں کیا تھا۔ دفعتاً میرے دونوں ہاتھ اس کی گردن پر جا پڑے اور غیر شعوری طور پر میری گرفت سخت ہو گئی۔ نوکروں نے مجھے بتایا تھا کہ انہوں نے چیخیں سنی تھیں لیکن مجھے اس کا بھی ہوش نہیں۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ کیا ہو گیا۔ دوبارہ جب میں ٹارچ منگوا کر اندر گیا تو وہ مجسمہ بھی موجود نہیں تھا۔ نقب کی طرف میں نے اُس وقت بھی دھیان نہیں دیا تھا۔ اس کے متعلق تو مجھے آج ہی اخبار کے ذریعہ معلوم ہوا۔

فریدی اور حمید کچھ دیر رسمی گفتگو کرتے رہے پھر اٹھ آئے۔

"آج آر لکھنو میں بڑا زوردار پروگرام ہے۔" حمید نے راستے میں کہا۔

"ابھی تمہارا دل پروگراموں سے نہیں بھرا۔" فریدی بولا۔

"پتہ نہیں آپ آدمی ہیں یا بلوٹنگ پیپر۔"

فریدی کچھ نہیں بولا۔

"ایک بات آج تک سمجھ میں نہ آئی۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "کوئی شوہر اپنی بیوی کی بد چلنی نہیں برداشت کر سکتا۔ لیکن عموماً بیویاں اپنے شوہروں کی بد چلنی برداشت کرتی رہتی ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟"

"لیکن تمہاری بیوی تمہیں کبھی نہ برداشت کر سکے گی۔" فریدی بولا۔

"تو کیا میں بد چلن ہوں۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"نہیں تم تو فرشتے ہو۔"

"معاف کیجئے گا۔ جناب میں لڑکیوں سے صرف دوستی کرتا ہوں۔"

"ہر پڑھا لکھا بد چلن یہی کرتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا کہا۔" حمید چیخ کر بولا۔ "بد چلن کہہ لیجئے لیکن اگر پڑھا لکھا کہا تو اچھا نہ ہوگا۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"اگر ہم اس وقت آر لکھنو ہی میں کھانا کھائیں تو کیا خرج ہے۔" حمید نے کہا۔

وہ دونوں آر لکھنو میں آئے۔ ڈائننگ ہال میں ابھی تھوڑی بہت گنجائش تھی۔ حمید نے ایک ایسی میز پر قبضہ جما لیا جس کے گرد و پیش کئی خوبصورت لڑکیاں تھیں۔

"افوہ یار! تم بھی کہاں آمرے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا ان لڑکیوں سے وحشت ہو رہی ہے وہ کیسی رہے گی۔" حمید نے ایک لڑکی کی طرف آنکھوں سے اشارہ کیا۔

"خدا نے چاہا تو ہمیشہ بخیریت رہے گی.... ادھر اُدھر مت دیکھو.... اے بوائے مینو لاؤ۔"

فریدی نے مینو دیکھ کر کچھ چیزوں کا آرڈر دیا اور پھر کئی کھنکتے ہوئے قہقہے اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔ قریب کی میز پر بیٹھی چار لڑکیاں حمید کی طرف دیکھ دیکھ کر ہنس رہی تھیں۔ فریدی نے حمید کی طرف دیکھا جو سر جھکائے نہایت سنجیدگی سے طرح طرح کے منہ بنا رہا تھا۔

"کیا بیہودگی ہے۔" فریدی نے اُسے آہستہ سے جھڑکا۔

"نہ جانے کیا ہو گیا ہے ہونٹوں میں۔" حمید نے سر اٹھا کر سنجیدگی سے کہا۔ "کھجلی.... کیسی کھجلی۔"

اس نے فریدی کو بھی منہ چڑھا دیا۔

"میں جانتا ہوں.... گدھے سور! پبلک مقامات پر بیہودگی کھل جاتی ہے۔"

"اب بتائیے کھجلی کو کیا کروں۔"

"جوتے سے کھجلاؤں گا۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

بہر حال حمید نے وہ رات فریدی پر حرام کر دی۔

اور اس کیس کے سلسلے میں بعد کے واقعات میں صرف یہی بات بہت زیادہ اہم ہے کہ عدالت نے پرویز کو قتل کی نیت نہ رکھنے کی بناء پر بری کر دیا۔ فاضل جج نے تجویز میں لکھا تھا کہ قتل ارادتاً نہیں بلکہ اضطراری کیفیت کے تحت سرزد ہوا تھا۔ جس کی وجہ خوفزدگی بھی قرار دی جا سکتی ہے۔ عدالت کی نظروں میں صحیح معنوں میں مجرم تنویر ہی تھا۔ ثمینہ کے معاملے میں اسے دس سال قید بامشقت کی سزا دی گئی اور ایجنٹ کے قتل کے سلسلہ میں سزائے موت۔

مسز تنویر کی حالت بہت ابتر تھی۔ فیصلہ سنتے ہی وہ عدالت میں بیہوش ہو گئی۔ زندہ تو وہ اب بھی ہے لیکن ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو کر رہ گئی ہے۔ پرویز ہر طرح اس کا خیال رکھتا ہے، لیکن اس کے ذہن میں اُتر جانا اس کے بس کی بات نہیں۔

ختم شد